ولی و شیخ

مولانا امام الدین پنجابیؒ

متوفی ۱۳۳۵ھ

وہ مسجد جہاں مولانا پنجابیؒ درس دیتے تھے

اسیر ادروی

Scanned by CamScanner

ولی و شیخ

مولانا امام الدین پنجابی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۱۳۳۵ھ)

اسیر ادروی

ناشر

قمر الباری ایم، ایس، سی دیوریا

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا چریا کوٹ ضلع مئو اترپردیش

Scanned by CamScanner

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
عرض مرتب	۴	بسنت کا میلہ	۲۱
تقریب	۶	مولانا پنجابی پاک پٹن میں	۲۲
حرف آغاز	۱۰	تحصیل علم اور بیعت	۲۷
نام ونسب خاندان اور وطن	۱۴	قلم ناآشنا	۲۸
ذاتی حالات	۱۶	علم و فضل	۳۰
براؤل	۱۶	بیعت	۳۱
چھچھڑی	۱۷	قصبہ مئو میں قیام	۳۳
آبائی وطن	۱۸	درس و تدریس	۳۴
بچپن اور جوانی	۱۹	بعض دوسرے مقامات پر	۳۵
مولانا پنجابی لاہور میں	۱۹	دینی مدرسہ کا قیام	۳۵
شالامار باغ	۲۰	شاہی مسجد کٹرہ اور عیدگاہ قصبہ	۳۷
حضرت داتا گنج کے مزار پر میلہ	۲۱	شاہی مسجد کٹرہ	۴۰

عنوان	صفحہ
سائبان کی تعمیر	۴۱
جوش جہاد کا فطری جذبہ	۴۲
نکاح بیوگان کی تحریک	۴۴
مئو اور اس کے اطراف اور افغان قوم کی تاریخ	۴۶
افغان قوم کی تاریخ	۴۸
مختلف مقامات پر افغان بٹی	۵۰
موضع ادری اور شاہ پور	۵۰
مولانا پنجابی اور ریاست بھوپال	۵۲
عکس خط مفتی ریاست	۵۴
"	۵۵
"	۵۶
"	۵۷
عکس خط وزیر مالیات	۶۱
وظیفہ کی منظوری کا اطلاع نامہ	۶۲
پرچہ اندراج وظیفہ کا مثنیٰ (عکس)	۶۳
تصنیفات	۶۵
البلاغ المبین	۶۸
عکس البلاغ المبین پہلا ورق	۶۹
منظوری کی اطلاع عکس	۷۰
تبیین الکلام	۷۱
عکس پہلا صفحہ	۷۲
مصابیح الاطلاع	۷۶
عکس مصابیح الاطلاع	۷۷
ربیع الانوار	۷۹
عکس ربیع الانوار	۸۰
مولانا پنجابی کے دوسرے رسائل	۸۱
عکس رسالہ اوقات نماز عیدین	۸۲
حاصل گفتگو	۸۳
اولاد و احفاد	۸۶
وفات	۹۱

عرض مرتب

مولانا امام الدین پنجابی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دیار کے مشہور عالم دین تھے اور بہت معظم و محترم شخصیت کے مالک تھے، ان کا علم و فضل، زہد و تقویٰ، اخلاص و للہیت، ان کی بے نفسی و بے لوثی کا ہر شخص معترف و مداح تھا، مگر وہ اپنے دور میں جتنے مشہور و معروف تھے اور جتنی مقبولیت و شہرت حاصل تھی اتنی ہی ان کی شخصی زندگی حجاب اندر حجاب تھی، ان کی پوری زندگی مسلسل مجاہدہ تھی، وہ عنفوان شباب میں اپنے وطن کلانور بٹالہ (پنجاب) سے نکل پڑے اور صوبہ پنجاب کے مختلف شہروں میں زندگی کا بڑا حصہ گذارا، لیکن سوال یہ ہے کہ انھوں نے اپنا وطن کیوں چھوڑا؟ اور کس عمر میں چھوڑا؟ ان کے دل میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا داعیہ کیسے پیدا ہوا؟ کیسے

Scanned by CamScanner

اور کب وہ دارالعلوم دیوبند پہونچے ؟ اس وقت ان کی عمر کیا تھی ؟ وہ کتنے دنوں تک دیوبند میں رہے، ان کے اساتذہ کون کون ہیں ؟ گنج مرادآباد کیسے پہونچے اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے ؟ یہ ساری باتیں تہ در تہ پردوں میں مستور ہیں، اور کبھی آپ نے ان تفصیلات سے کسی کو آگاہ نہیں کیا، لوگوں کے اصرار پر دو بار آپ نے اپنی زندگی کے بارے میں لکھوانا شروع کیا لیکن نجی زندگی کے بارے میں دو چار باتوں کے بعد روئے سخن بدل دیا۔

ان حالات میں ان کے بارے میں کچھ لکھنا آسان نہیں، انتہائی تلاش وجستجو، کاغذات اور مخطوطات کا انتہائی باریک بینی سے مطالعہ کرنے اور ان کی تحریروں کی چھان بین کے بعد جو معلومات حاصل ہوئیں وہ آپ کے سامنے پیش ہیں، بہت سے مقامات پر مقامی اور خاندانی روایات کا سہارا لینا پڑا، اور بعض موقعوں پر قیاس سے بھی کام لینا پڑا، البتہ تحقیق وتفتیش، کھوج کرید میں دانستہ کوئی کوتاہی نہیں کی گئی، ان حالات میں جو کچھ حاصل ہوا وہ آپ کے سامنے پیش ہے۔

اسیر ادروی

مدیر رسالہ ترجمانُ الاسلام بنارس

۲۵ مئی ۲۰۰۰ء

تقریب

محترم جناب مولانا محمد طیب صاحب ادروی مہتمم مدرسہ عربیہ برن پور ضلع بردوان

مولانا امام الدین پنجابی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمارے گھرانے سے بہت قریبی تعلق رہا ہے، ان کے منجھلے صاحبزادے مولانا فضل الرحمن صاحب کی شادی ہماری پھوپھی سے ہوئی تھی، ان سے دو لڑکے تھے برکات احمد، بختیار حسن، لیکن وہ جلد ہی بچوں کو یتیم چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئے دونوں لڑکے ہمارے گھر پر گھر کے فرد بن کر رہے، مولانا پنجابیؒ اپنے پوتوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کی نگرانی کے لئے ہمارے گھر برابر

تشریف لاتے تھے اور کئی کئی دن قیام فرماتے تھے، چونکہ مولانا موصوف کو اپنے لڑکے فضل الرحمٰن سے بے پناہ محبت تھی، ان کے انتقال کے بعد وہی محبت ان کے دونوں بچوں کی طرف منتقل ہوگئی، یہ میرے وجود سے بھی پہلے کی بات ہے، جب میں نے ہوش سنبھالا تو میں ہمیشہ ان دونوں بھائیوں کو اپنا بڑا اور حقیقی بھائی ہی سمجھتا رہا، کیونکہ ہمارے گھر میں ان کی وہی حیثیت تھی، ان دونوں کی شفقتیں بھی مجھے اسی طرح حاصل رہیں جیسے بڑے بھائی کی اپنے چھوٹے بھائی پر شفقت ہوتی ہے، ہمارے گھر کا سب نظم ونسق انھیں دونوں بھائیوں کے ہاتھ میں رہا، پھر بسلسلہ ملازمت بڑے بھائی مولانا برکات احمد قاسمی فاضل دارالعلوم دیوبند دیوریا چلے گئے لیکن اسی طرح جیسے گھر کی اولاد بسلسلہ ملازمت جاتی رہتی ہے، وہ ہمیشہ جلد جلد اور گھر پر آتے رہتے تھے، کچھ عرصہ بعد حالات کچھ ایسے ہوئے کہ ان کو مستقل دیوریا میں قیام کرنا پڑا۔

دیوریا میں بھائی صاحب مختلف حالات سے گذرے مگر اس حال میں بھی انھوں نے اپنے تمام لڑکوں کو تعلیم دلائی اور بہترین تربیت کی، ظہور الباری سلمہٗ فاضل دارالعلوم دیوبند ہونے کے بعد علی گڈھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی اور اب جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی سے وابستہ ہیں، دوسرے لڑکوں میں ظفر الباری، قمر الباری، ظہیر الباری، عبدالباری اور فیض الباری اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے

معاشی حالات کو مستحکم بنایا اور شہر میں باعزت زندگی اور لوگوں کی محبت حاصل کی اور اپنے آبار واجداد کے رکھ رکھاؤ اور وضعداری کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، یہ سب دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اور ان تمام بچوں کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، یہ سب مولانا امام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص دینداری، زہد و تقویٰ کا ثمرہ ہے۔ وہ اپنے وقت کے ولی تھے شیخ و مرشد تھے، ان کی ذات سے اس دیار میں بہت فیض پہونچا وہ اس عہد کے عظیم علمار کی صف کے آدمی تھے، دینی تعلیم کی اشاعت میں ان کی خاموش جدو جہد کا بھی اثر صاف ظاہر ہو رہا ہے، ایسی اہم ترین۔ برگزیدہ شخصیت کی عظمت و احترام کا تقاضا تھا کہ ان کے حالات ان کے کمالات ان کی دینی و علمی خدمات کا تعارف کر دیا جائے اور نئی نسل کو ان کے مقام و مرتبہ سے روشناس کرایا جائے۔

خدا کا شکر ہے کہ مولانا اسیر ادروی مدیر رسالہ ترجمان الاسلام بنارس نے اس کی جانب توجہ فرمائی، وہ ہندوستان کے مشہور و معروف تذکرہ نویسوں اور مصنفوں میں سے ہیں، ان کی دو درجن کتابیں ملک کے مشہور اداروں سے شائع ہو چکی ہیں اور ان کی متعدد کتابوں کے بار بار ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں، یہ ان کی کتابوں کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

مولانا امام الدین پنجابی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ کہنے میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ انھوں نے ۱۲۹۸ھ قیام مئو سے قبل ۳۸ سال

کا زمانہ کہاں کیسے اور کن حالات میں گذارا اس راز سے انھوں نے کبھی پردہ نہیں اٹھایا اور کوئی دوسرا ہاتھ اس پردے کو اٹھا نہیں سکتا، مگر مرتب نے ان کے مسودات اور کاغذات کا باریک بینی سے مطالعہ کرکے ان کا سال ولادت دریافت کیا جس کی وجہ سے کئی مسئلے حل ہوئے ان کے متفرق کاغذات سے ضمنی طور پر جو ان کی زندگی کے بارے میں اشارے ملے ان کو جمع کرکے ایک مفصل تذکرہ مرتب کردیا، یہ صرف مرتب کی تصنیفی زندگی کے تجربات کا نتیجہ ہے کہ وہ بڑی حد تک ایک مرتب و مربوط تذکرہ لکھنے میں کامیاب ہوئے اور مولانا پنجابی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بہت سے پہلو جو اب تک نگاہوں سے اوجھل تھے، ہماری آنکھوں کے سامنے آگئے اور ان کی عظمت کا صحیح احساس دل میں پیدا ہوا، خدا میرے عزیز بھتیجوں کو خوش رکھے انھوں نے اپنے مورث اعلیٰ کے بیش قیمت تذکرہ کو شائع کرکے اپنی سعادتمندی کا ثبوت دیا۔

محمد طیب غفرلہ

ادری ضلع مئو

۲۷ مئی ۲۰۰۰ء

حرفِ آغاز

ولیِ کامل مولانا امام الدین پنجابیؒ

ایک صدی کے قریب گذری کہ مشرقی اترپردیش کے ضلع اعظم گڈھ کے ایک بڑے قصبہ مئو ناتھ بھنجن میں تن تنہا ایک بزرگ آئے، کوئی انھیں نہیں جانتا تھا، ان کا قدوقامت، ان کی شکل وشباہت، لب و لہجہ اس دیار کا نہیں تھا، کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کیوں آئے ہیں؟ چہرہ مہرہ عالمانہ اور باوقار تھا مگر نہ ان کے ساتھ تلامذہ یا حلقہ بگوشوں کا کوئی قافلہ تھا، نہ ان کے ساتھ کتابوں کے پشتارے، وہ نہ کوئی مشہور شعلہ نوا خطیب تھے نہ واعظ، نہ ان کے ہاتھ میں خاراشگاف قلم تھا، نہ انھوں نے عالمانہ وضع قطع اختیار

کی تھی نہ زاہدانہ عبا قبا تسبیح و مصلیٰ۔

مگر کچھ ہی دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالم دین بھی ہیں اور زاہد مرتاض، زہد و تقویٰ کے بلند مقام پر فائز بھی، ان کے دل و دماغ میں اس دیار کی اصلاح اور اشاعتِ دین اور علوم اسلامی کی تعلیم و ترویج کے لئے خاکے اور منصوبے تھے، پھر کچھ ہی برسوں بعد اس دیار کے علماء، صلحاء، زہاد و عباد ان کی راہوں میں عقیدت و ارادت کے پھول بچھانے لگے، ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ کا اعتراف کیا جانے لگا، اس دیار کے مشہور علماء ان سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے لئے ان کے حلقۂ درس میں شامل ہونے لگے اور اس کو اپنے لئے ذریعہ سعادت اور وسیلہ فخر و مباہات سمجھنے لگے، اس حیرتناک فضل و کمال علم شریعت و علم طریقت کی جامع شخصیت اور ولیٔ کامل کا نام مولانا امام الدین پنجابی تھا اور غایت ادب و احترام کی وجہ سے عوام و خواص سبھی ان کو صرف "مولانا پنجابی" کے مختصر نام سے یاد کرتے تھے۔

مولانا پنجابی جب اس دیار میں آئے تو دینی تعلیم، درس و تدریس تعلیم و تعلم کی محفلیں سونی سونی تھیں، علماء کمیاب، طلباء نایاب، کتابیں مفقود، مدارس کا فقدان، آج کی طرح کے اقامتی اداروں کا تو تصور بھی نہیں تھا لیکن اسی ماحول اور حالات میں مولانا پنجابیؒ نے دینی تعلیم کے فروغ کا کام شروع کر دیا، عوام کا ذہن و مزاج بنایا، تعلیم

Scanned by CamScanner

وتدریس کے لئے فضا سازگار بنائی کوئی باضابطہ مدرسہ قائم کرنے کے بجائے حسبۃ للہ کچھ باذوق اور ذہین وفطین طلبہ کو ایک چھوٹی سی مسجد میں بیٹھ کر پڑھانا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ علمی چہل پہل بڑھی، اور پھر پورے قصبہ میں علمی بیداری کی لہر بڑھتی چلی گئی۔

اس دور میں ہندوستان کے اندر ملکی سطح پر جو مسائل پھیلے ہوئے تھے ان پر رسالے اور کتابیں لکھنی شروع کیں جو سب کی سب وقت اور حالات کی ستم ظریفی سے نذر گمنامی ہو گئیں اور شائع نہیں ہوئیں، ایک عظیم ترین تصنیف کی اشاعت کے لئے ایک مسلم ریاست تک رسائی حاصل کی اور کشتی ساحل پر پہونچ کر ڈوب گئی، اور آپ اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے اور کتاب کو مطبوعہ شکل میں دیکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

کتابیں دست برد زمانہ کی نذر ہو گئیں مگر ان کے ابتدائی مسودے جو بادامی رنگ کے کاغذ پر ان کے ورثار کے پاس موجود ہیں ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مولانا پنجابی اس گمنامی کی زندگی سے نکل کر کھلے میدان عمل میں ہوتے تو یقیناً ان کا شمار ملک کے مشہور ترین اور محقق علمار میں ہوتا اور ان کے لئے بڑا سے بڑا منصب پیش کیا جاتا، لیکن وہ شہرت وناموری کی ہر راہ سے کترا کر چلے اور نمود ونمائش کے مظاہر سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک مخصوص خطے کی اصلاح تک اپنا دائرۂ کار محدود رکھا، اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، اخلاص عمل اور دل کے سوز

Scanned by CamScanner

دگداز سے کام لے کر وہ اثر ڈالا کہ اس دیار میں اجتماعی بیداری پیدا ہوئی پھر علم وعمل کے اتنے چراغ جل اٹھے کہ پوری فضا بقعۂ نور ہو گئی اور یہ خطہ مردم خیز پوری علمی دنیا میں مشہور ہو گیا، آج وہی ذاتِ گرامی اور اس کی زندگی کے احوال ہمارا موضوعِ سخن ہے

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا اجیا کوٹ ضلع مئو اتر دیش

Scanned by CamScanner

نام ونسب خاندان اور وطن

مولانا پنجابی کا نام امام الدین خان آپ کے والد کا اسم گرامی نورالدین خاں عرف نورخاں اور جدامجد کا نام نامی کالے خاں تھا، آپ کا وطن پنجاب کا شہر کالا نور بٹالہ تھا، مولانا پنجابی کے حالات وواقعات کے سلسلہ میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ آپ نے ہمیشہ گمنام رہنے کی کوشش کی، اپنے ذاتی حالات کے بارے میں کبھی کوئی ذکر نہیں کرتے تھے، پوچھنے پر ٹال جاتے تھے، بعد کے دور میں آپ کے مخصوص تلامذہ اور مخلص عقیدتمندوں کے اصرار پر زبانی بیان کرنے کے بجائے اپنے ایک شاگرد سے اپنے بارے میں چند باتیں املا کرائیں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مولانا خود نہیں لکھتے تھے ان کی خودنوشت کوئی تحریر نہیں پائی جاتی،

Scanned by CamScanner

آج ان کے املا کرائے ہوئے کاغذات کا ایک انبار ان کے ورثاء کے پاس ہے، یہ چھوٹے بڑے رسالوں کی شکل میں ہیں انھیں مخطوطات میں دو رسالے ہیں جن میں آپ نے اپنے بارے میں کچھ باتیں لکھوائی ہیں اپنے قومی وطن کا تعارف تو دل کھول کر کراتے ہیں اور جہاں سے ذاتی حالات کا ذکر آتا ہے وہاں آپ خاموشی سے گذر جاتے ہیں یعنی اس وقت بھی آپ اپنے حالات پر پردہ پڑا رہنا ہی مناسب اور ضروری سمجھتے ہیں۔ ان تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان کو ترک وطن کرنا پڑا، دوسرے مقامات میں سکونت اختیار کرنی پڑی، مگر ہجرت کے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے کہیں اس کے اسباب پر روشنی نہیں ڈالی اور ذاتی حالات تو وہ ایک دم پردہ خفا ہی میں رہے، انھیں کاغذات سے جستہ جستہ کچھ حالات وہ بھی اجمالی طور پر پیش کئے جاتے ہیں، مولانا پنجابی کی املا کرائی ہوئی ایک کاپی جو ۵ انچ چوڑی اور ۸ انچ لمبی ہے اس میں الفاظ تو مولانا پنجابی کے ہیں، کاتب نے صرف املا کیا ہے، آپ اپنے حالات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

" راقم الحروف ابو الفضل امام الدین خاں براولی، پچھیڑی اخوان الصفا والوفا کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ آغاز شعور سے اب تک بفضل الٰہی فخر وافتخار دنیاوی اس عاجز کے چشم وگوش ہوش میں صدائے بے معنیٰ کا حکم رکھتا ہے لیکن المامور کالمجبور بعضے دوست گاہے گاہے تکلیف اس بات کی فرماتے رہے کہ آپ اپنے خاندان

کے کچھ حالات مختصر لکھ دیجئے، لہذا چند حروف حوالہ قلم کئے جاتے ہیں"

ذاتی حالات اس املا کرائی ہوئی تحریر سے جو معلومات حاصل ہونگی وہ قطعی ویقینی ہوں گی، اوران روایات کے مقابلہ میں باوزن ہوگی جو اس دیار میں مشہور ہیں، آپ نے املا کرایا:

" جائے پیدائش اس خاکسار کی خطہ کالا نور بٹالہ ہے، یہ زمین نہایت مردم خیز ہے، پہلے یہیں جلال الدین اکبر خاقان گیتی ستان تخت نشین ہوا تھا، پدر بزرگوار کا نام نورالدین خاں عرف نور خاں ہے اور جدامجد کا نام کالے خاں ہے براولی قوم سالارزئی کو کہتے ہیں اور یہ قوم ایک شاخ ہے قوم ترکلانی کی، جس کو خراسان کے باشندے روزمرہ کی زبان میں ترکانی کہتے ہیں، چونکہ قوم سالارزئی باشندہ علاقہ براول ہے لہذا اس کو براولی کہا جاتا ہے۔

براول براول ایک علاقہ ہے ملک باجوڑ کا، ملک باجوڑ سرسبز سرزمین کوہستان ہے، مغربی وشمالی اس کے کوہ ہندوکش ہے اور مشرق اس کے کوہ آتماں خیل اور جنوبی کوہ ہنداں ہے پچیس میل طویل بارہ میل عریض ہے، اس میں چار قصبے مشہور ہیں ایک خاص شہر باجوڑ دوسرا ناوگی، تیسرا چندول، چوتھا میاکلی متصل میدان پنجکوڑہ کا درّہ براول ہے، ایک حصہ براول کا خوب آباد اور باقی درختان زار اور بیشہ (جنگل) ہے، اس میں ہر قسم کے جانور رہتے ہیں، کثرت درخت سے دھوپ

Scanned by CamScanner

نہیں نکلتی ہے لیکن خان براول کا الگ ہے اور خان باجوڑ کا علحدہ ہے، تمام ترکلانی کے خان اپنے ملک میں بہت اختیار رکھتے ہیں، ان کی زبان میں خان کو بادشاہ اور باز کہتے ہیں، تیرہویں صدی ہجری میں غلام حیدر خاں اور فیض طلب خاں قصبہ ناوگی کے مشہور خان ہیں اور علاقہ براول میں فیروز خاں بھی مشہور خان ہے اور قوم اسماعیل زئی کا ملک محمد گل خان ہے اور حیدر خان باشندگان ناوگی کا بڑا خان ہے اور امر الدین خان باشندگان شہر باجوڑ کا بھی مشہور اور صاحب اختیار خان ہے، یہ دونوں خان اپنی رعایا غیر از قوم افغان سے بابت زمینات بارانی پنجم حصہ پیداوار سے اور نصف حصہ نہری زمین سے محصول لیتے ہیں ..... اس آمدنی کی مقدار تخمیناً ایک لاکھ سے کم نہیں ہے اور جو افغان اپنی مملوکہ زمینات کہتے ہیں وہ لوگ اگرچہ پیداوار سے حصہ معین نہیں دیتے مگر بیگار اور لشکر کشی کے وقت خان کا لشکر ہو جاتے ہیں اور خان کو اختیار ہے کہ جرائم پالایش میں حسب مرضی خود سزا دیوے جلا وطنی قید اور جرمانے اور تاراج کا اختیار خان کو ہے

چھچھڑی

چھچھڑی کہتے ہیں ملک چھچھ کے رہنے والے کو، چھچھ ایک خطہ ہے قریب افغانستان کے، مضمون بالا سے معلوم ہوا کہ اصل مسکن اور معدن آبا و اجداد اس خاکسار کا علاقہ براول ہے، پھر کسی نوکری وغیرہ کے ذریعہ سے منتقل ہو کر ملک چھچھ میں بھی سکونت اختیار کیا ہے، پھر وہاں سے منتقل ہو کر کالا نور بٹالہ میں بود و باش اختیار

کیا ہے اسی لیئے خاکسار نے اپنے کو براول اور پھپھڑی لکھا ہے اور ایسا
ہی اپنے بزرگوں سے سنا ہے "

(قلمی یادداشت)

(تحریر کردہ) شوال ۱۳۲۴ھ

آبائی وطن اصلی قدیم آبائی وطن پنجاب، کا مغربی خطہ یا جوڑ کا وہ علاقہ ہے جس کو براول کہا جاتا ہے جس کی تفصیلات اور جغرافیائی حالات آپ نے بیان کیئے، آپ کے اجداد میں سے کسی نے براول سے ترک سکونت کرکے اس علاقہ میں سکونت اختیار کی جو پنجاب کا آخری کنارہ ہے جو افغانستان سے قریب تر ہے جس کو مولانا پنجابی نے چھچھ کے نام سے یاد کیا ہے، چھچھ کا یہ وہی علاقہ ہے جس کو سب سے پہلے ۹۶ھ میں محمد بن قاسم نے فتح کرکے وہاں ایک اسلامی حکومت قائم کی اور اسلام کی اشاعت وہاں بڑے پیمانے پر ہوئی پھر وہ علاقہ مسلمانوں کا مرکزی مقام بن گیا اور بنو اُمیّہ کے دورِ حکومت میں ہمیشہ وہاں کے لیئے ایک حاکم نامزد کرکے بھیجا جاتا رہا جس کی وجہ سے پورے علاقہ میں اسلام پھیل گیا، اس علاقہ کی ایک پرجوش اور ایمان افروز تاریخ ہے اور اسلامی مورخین نے اس کی تاریخ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں فارسی زبان میں چچ نامہ مشہور ہے جس کا قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڈھ میں موجود ہے، مولانا پنجابی کے اجداد وہاں کتنی پشتوں تک رہے اس کا کوئی علم نہیں لیکن نامعلوم اسباب کی بنا پر پھر مولانا پنجابی کا خاندان وہاں سے ترک سکونت کرکے کلانور بٹالہ میں جاکر

Scanned by CamScanner

آباد ہوا، مولانا پنجابی کی پیدائش اسی علاقہ کلانور بٹالہ میں ہوئی۔

بچپن اور جوانی

مذکورہ بالا یادداشت میں آپ نے مئو ناتھ بھنجن آنے کا سال ۱۲۹۸ھ بتایا ہے، ظاہر ہے کہ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ اس علاقہ میں آئے ہیں مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ میرے اندازے کے مطابق پچیس تیس سال سے کم کسی حالت میں نہیں رہی ہو گی، اتنے زمانے تک وہ کلانور بٹالہ سے نکل کر کہاں رہے؟ کیا کرتے رہے ان کی تعلیمی زندگی کہاں گذری؟ خودنوشت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ بہت کم ہی عمر میں کلانور بٹالہ سے نکل چکے تھے اور لاہور آگئے تھے اور آپ یہاں بہت دنوں تک رہے۔

مولانا پنجابی لاہور میں

مولانا پنجابی اپنے وطن کلانور بٹالہ میں اسلامی مکتب میں داخل ہو کر حروف شناس ہو چکے تھے کیونکہ وہ لاہور میں اپنے قرآن پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں وہ اپنی خودنوشت میں لاہور کا مکمل تعارف کراتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک مدرسہ ہے جس میں صرف نابینا بچے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور کچھ بینا بچے ناظرہ پڑھتے ہیں، میں نے وہاں قرآن شریف پڑھی ہے"

خودنوشت سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لاہور میں کچھ عرصہ تک رہے، وہ شہر کا تعارف بڑی تفصیل سے کراتے ہیں اور اس کی خصوصیات، عمارات

مساجد شالامار باغ کا ذکر خصوصیت سے کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

لاہور کے بارہ دروازے ہیں اور گرداگرد شہرپناہ ہے اور ایک خندق قدیم میں تھی جس کو فرماں روائے فرنگ نے بھر کر اس کی سطح پر باغات لگوا دیئے ہیں اب ایک عجیب چمنستان و گلزار سدا بہار ہے، اس شہر کی مسجدوں میں نامی گرامی تین ہیں، پہلی مسجد شاہی جو جانب شمالی و غربی برکنار دریائے راوی واقع ہے یہ مسجد اتنی بڑی اونچی ہے کہ اگر اس کے میناروں پر چڑھ کر دیکھے تو لاہور باوجود وسعت کے بہت چھوٹا معلوم ہوتا ہے، دوسری مسجد وزیر خاں کی ہے اس مسجد کی تعمیر میں استادان چابکدست نے چینی سے نقش و نگار بنائے ہیں اور تیسری مسجد سنہری ہے یہ بھی بازار میں عجیب وضع سے خوشنما نظر آتی ہے، اس کا گنبد اور منارے سونے سے مطلا ہیں

شالامار باغ

اس شہر کے جانب شرقی پر ایک بادشاہی باغ ہے اس کو اس وقت شالامار باغ کہتے ہیں، اس باغ کے وصف میں طوطی زبان کو بجز خاموشی کے چارہ نہیں، قمری بیاں کو اس کی مدح سرائی میں کوئی یارا نہیں، اس کے تین درجے ہیں، ہر ایک درجے میں ہر فصل کے چمنستان روح افزا ہیں، درمیانی درجہ میں ہمیشہ موسم برشگال و برسات رہتا ہے، صورت اس کی یہ ہے کہ غربالی چادر ہائے جیسے ہے اس کی سقف مسقف ہے اور اسی سے ہر قسم کا مینہ ہمیشہ برستا ہے

اور اس میں ہر طرف فوارہائے آب ہمیشہ جوشاں رہتے ہیں اور اس کے چاروں کونوں پر نشستگاہ اور شہ نشین اور منارے بنے ہوئے ہیں اور ہر قسم کے درخت اس میں بارآور ہیں ہر طرح کے پھول اور پھل اس میں موجود ہیں۔

حضرت داتا گنج کے مزار کا میلہ

لاہور میں حضرت داتا گنج کے مزار پر سالانہ عرس ہوتا ہے مولانا نے اس کی بھی منظر کشی کی ہے اس میں بھی ان کا وہی ایک باذوق سیاح کا ذہن کام کر رہا ہے جس نے شالامار باغ کی حسین وجمیل منظر کشی کی تھی وہ یہاں بھی اپنے حسن انشا سے اس منظر میں جان ڈال دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں

"اس شہر میں ہر روز کسی نہ کسی بزرگ کے مزار پر میلہ لگتا ہے اور زیارت کرنے لوگ آتے ہیں اور نذر و نیاز چڑھاتے رہتے ہیں، سب سے بڑا میلہ حضرت داتا گنج کے مزار پر ہوتا ہے اور کئی دن تک رہتا ہے، آپ کے مزار پر بڑے بڑے مصحف خوشخط رکھے ہوئے ہیں جو زیارت کو جاتا ہے وہ کھول کر جتنا چاہتا ہے پڑھتا ہے"

بسنت کا میلہ

اس شہر میں ایک میلہ بسنت کا مشہور ہے کہ جب مہینہ چیت کا آتا ہے اور سرسوں پھولتی ہے ہر طرف سے ہندو و مسلمان بسنتی پوشاک پہنے ہوئے آتے ہیں ہر قسم کے

نازنین ماہ رو بھی بہت آتے ہیں اور ہر قسم کی چیزیں اس کے بازار میں بکتی ہیں، یہ میلہ کئی دن تک رہتا ہے، ہر طرف میدان خوشنما ہو جاتا ہے، جس طرف دیکھو بسنت سماں بندھا ہوا ہے، اگر بہار بسنت ہے تو یہی ہے کسی سخنور نے خوب کہا ہے

اصفہان نصف جہاں اگر لاہور نہ باشد

اس شہر کے گرد و نواح کوسوں میں مسجدوں اور مقبروں کے گنبد نظر آتے ہیں، اپنے اپنے بانیوں کی شوکت اور دبدبہ کو زبان حال سے بیان کر رہے ہیں۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ

آثار پدید است صنادید عجم را

مولانا پنجابی پاک پٹن میں

یہ ذہن میں رہے کہ مولانا پنجابی کی اس خود نوشت میں وہ اپنے عنفوانِ شباب کے دور کے واقعات و مشاہدات سنا رہے ہیں، ترک وطن کے بعد وہ کن کن منزلوں سے گذرے ان کے حافظے میں اس کی یاد باقی ہے، ابھی نہ ان کی تعلیم مکمل ہوئی ہے اور نہ شمالی ہند کے کسی شہر میں آئے ہیں جہاں دینی تعلیم کی نئی نئی تحریک دیوبند میں مدرسہ قائم کر کے شروع کی گئی ہے اور جو مولانا کی تعلیم کی عمر ہے اسی دور میں وہ شہروں شہروں سیاحی کر رہے ہیں اس کے پس پشت ان کا کیا مقصد ہے؟ کیا وہ مختلف مقامات میں

بغرض تعلیم گئے ہیں، خود نوشت اس سلسلہ میں ایک دم خاموش ہے اور جب آخر آخر میں آپ دیوبند آئے ہیں تو آپ کا مدرسہ میں داخلہ بھی ہو گیا اس کا مطلب یہی ہوا کہ مولانا اپنی تعلیمی سرگرمیوں پر خود کوئی روشنی نہیں ڈالنا چاہتے تھے اس لئے لاہور میں قرآن دو سال پڑھنے کے بعد اور کہیں کوئی تذکرہ نہیں کیا اور لاہور کو خیر باد کہہ کے اجودھن یا پاک پٹن جہاں ایک مشہور بزرگ کا مزار ہے اور انھیں کی وجہ سے یہ آبادی لوگوں کے علم میں آئی آپ چلے گئے خود نوشت میں ہے :

"شہر پاک پٹن جس کو سابق زمانہ میں اجودھن کہتے تھے یہ شہر باعث شرف و عزت و سرفرازی برکت ملک پنجاب ہے، یہ شہر مسکن حضرت بابا فرید شکر گنج ہے، آپ کا مزار پاک بھی اسی شہر میں ہے، راقم نے مکرر آپ کے مرقد پر انوار کی زیارت کی ہے، آپ خلیفہ راشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی ہیں، آپ کے خلیفہ بہت ہیں لیکن دوان میں سے بزرگ ترین ہیں نظام الدین اولیاء دہلوی بدایونی اور علی احمد صابر ہیں نظام الدین اولیاء کا مزار دہلی میں ہے اور علی احمد صابر کا پیران کلیر میں ہے انھیں دونوں سے طریقہ نظامیہ اور صابریہ جاری ہے، شہر پاک پٹن ایک بلند ٹیلے کے اوپر ہے جنوبی طرف شہر کی بلندی پر آپ کے روضہ کا حرم سرا واقع ہے، چہار دیواری آپ کے گنبد مبارک کے چاروں طرف ہے آپ کے روضہ کے مغربی پہلو پر ایک بڑی مسجد ہے اور آپ کے گنبد کے

Scanned by CamScanner

دو دو دروازے ہیں سرقی ، جنوبی ، جنوبی کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں۔
ماہ محرم میں چھٹی تاریخ کو ایام عرس میں یہ کھولا جاتا ہے ، آپ کے عرس
کا کئی دن تک میلہ رہتا ہے اور ہر طرف سے دور دراز کے لوگ آپ
کے عرس میں حاضر ہوتے ہیں ، گویا اہل پنجاب کا یہیں حج ہوتا ہے ،

مولانا پنجابی نے غلوے عقیدت کے اس نظارے کو دیکھ کر اس کو اہل پنجاب کا حج طنزاً کہا ہے اور ایک غلط خیال اور غلط عقیدہ پر عمل کرنے کا جو منظر دیکھا ہے اس کی ہو بہو عکاسی کی ہے اور اس جاہلانہ عقیدہ کی دلوں میں پختگی کو بڑے ہی سلیقہ سے پیش کیا ہے ، خود نوشت میں آگے لکھتے ہیں :

"بہشتی دروازہ میں داخل ہونے کے وقت عجیب شور وغوغا و اژدحام و ہجوم ہوتا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ بہت سے ضعیف عورت مرد دب کر مر جائیں گے ، لیکن پنجاب کے دہقانی دیہاتی مردم لنگوٹ باندھ کر اور کپڑا وغیرہ اتار کر اچھلتے کودتے اور فرید ، فرید پکارتے ہوئے ایسا گھستے ہیں کہ گویا ان کو اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے ، انتظام سرکاری رہتا ہے ، دو صف سپاہیوں کی دونوں طرف ڈنڈے لئے ہوئے کھڑی ہوتی ہے ، جو لوگ شور وغوغا زیادہ مچاتے ہیں ان کو ڈنڈوں سے سخت تنبیہ کرتے ہیں اور ان کی پیٹھوں کو سُجا دیتے ہیں مگر پھر بھی وہ لوگ مزاحمت سے باز نہیں آتے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے میں ہی بہشت میں داخل ہوں ، بیرون شہر سے دروازہ خانقاہ تک یہی حال ہوتا ہے

ان کی "فرید فرید" کی آواز سے گنبد سبز نیلگوں فلک ایسا
پر صدا ہو جاتا ہے کہ کوئی کسی کی آواز تک نہیں سن سکتا۔ "بہشتی دروازہ"
کی لمبائی چوڑائی اس قدر نہیں ہے کہ اس میں ایک مرتبہ دس آدمی
گھس سکیں، لیکن یہاں بیس بیس آدمی ایک ہی مرتبہ داخل ہو جاتے
ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ دس آدمی نیچے اور دس آدمی ان کے کندھوں
پر سوار ہو کر داخل ہوتے ہیں دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت
لوگ یہاں دب کر مر جائیں گے لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کوئی
دب کر مرا ہو"

مولانا پنجابی اس ضعیف الاعتقادی کا ذکر کرتے ہوئے لوگوں کی جاہلانہ عقیدت کی نقاب کشائی کرتے ہیں اور ایک عالم کا تبصرہ اپنی قلمی یادداشت میں دیتے ہیں، آپ رقم طراز ہیں:

"اصل اس کی یہ ہے کہ کسی صاحب کشف نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ اس دروازے سے داخل ہوئے ہیں، اس وجہ سے ان کی زبان سے نکل گیا کہ جو اس دروازے سے گذریگا وہ بہشتی ہوگا اس وجہ سے پنجاب کے عوام و خواص کے دل میں گرہ پڑ گئی ہے کہ اس دروازے میں داخل ہو کر گذر جانے سے انسان بہشتی ہو جاتا ہے مگر ہمارے ملا محقق (ملا عبدالحکیم سیالکوٹی) فرماتے ہیں کہ اس بزرگ کو خوب ہی سوجھی کہ یہ بیان کر اس سے عرس بابا میں بہت رونق ہو جائیگی

اور لوگ جوق در جوق ہر طرف سے آیا کریں گے کیونکہ ہر ایک کو بہشتی ہوجانے کی تو بہت تمنا ہے ہر ایک چاہتا ہے کہ بدون اٹھائے تکالیف شرائع اسلام کے یں مفت میں بہشتی ہوجاؤں گا ، بار گراں میں نہ اٹھاؤں مفت حور و غلمان لے لوں ، اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا ، واعظ اور ملا ہمیشہ چلاتے رہتے ہیں لیکن ان کی کون سنتا ہے ۔

قاضی اگر با ما نشیند بر فشاند دست را
محتسب گرمے خورد معذور دارد مست را

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا کوٹ ضلع مئو اترپردیش

باب ①

تحصیل علم اور بیعت

"خود نوشت" سے اب تک جو کچھ معلوم ہوا کہ مولانا پنجابی اپنے عنفوان شباب کے دور میں پنجاب سے باہر نہیں نکلے اور یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ انھوں نے لاہور میں کتنی تعلیم حاصل کی صرف دو سال قرآن پڑھنے کا ذکر ہے، پنجاب کے دوسرے شہروں میں جانے کا آپ نے کہیں ذکر نہیں کیا ہے اب اس کے بعد کے واقعات کے لئے مجبوراً ہم کو مقامی وخاندانی روایات کا سہارا لینا پڑے گا کیوں کہ اس کے بغیر مولانا کی شخصیت کی مکمل تصویر سامنے نہیں آسکتی۔

دارالعلوم دیوبند میں

کہا جاتا ہے کہ مولانا پنجابی دارالعلوم دیوبند میں بغرض تعلیم آئے، ظاہر ہے کہ ایک دم ناخواندہ طالب علم وہ بھی باہر سے آیا ہوا دارالعلوم میں داخلہ نہیں پا سکتا تھا اس لئے یہ تسلیم کرنا

Scanned by CamScanner

پڑے گا کہ انھوں نے اتنی تعلیم ضرور حاصل کرلی تھی کہ دارالعلوم میں ان کا داخلہ ہوگیا اور تعلیم بھی شروع کردی، روایت یہ ہے کہ آپ کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ تو ہوگیا لیکن قیام وطعام کا مدرسہ کی جانب سے کوئی انتظام نہیں ہوسکا، آپ قصبہ کی ایک مسجد میں مقیم ہوگئے بھوکے پیاسے مدرسے جاتے رہے اور پڑھتے رہے، کئی دنوں کے فاقہ کے بعد ایک دن آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے رات کا وقت تھا ایک نووارد نے مسجد میں جاکر ان کا حال پوچھا آپ نے صورت حال بتائی نووارد نے کہا کہ مسجد کے فلاں طاق پر تمہارا کھانا روزانہ رکھا رہے گا تم وہاں سے لیکر کھالیا کرنا، چنانچہ جب مدرسہ سے پڑھ کر مسجد آتے تو وہاں کھانا موجود رہتا تھا اس طرح آپ نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور جب مدرسہ کی طرف سے کھانے کا انتظام ہوگیا تو وہ سلسلہ بند ہوگیا۔

قلم ناآشنا

کہا جاتا ہے کہ آپ نے تعلیم بہت عمر ہونے کے بعد شروع کی تھی اس لئے ابتدائی تعلیم کے دوران جو لکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے اس کا آپ کو موقعہ نہیں ملا اس لئے جب دیوبند عربی کی تعلیم شروع کی تو امتحانات زبانی دیتے تھے اور اگر امتحان تحریری ہوتا تو ناظم امتحان ان کے ساتھ ایک ایسے طالب علم کو بٹھلانے کی اجازت دیتے تھے کہ وہ جو کچھ کہیں وہ لکھتا جائے طالب علمی کا پورا دور اسی طرح گذرا آپ نے کبھی قلم ہاتھ میں نہیں لیا پھر تا زندگی آپ لکھنے کے معاملے میں "اُمّی" ہی رہے، ان کے ورثاء کے پاس جو مخطوطات کا انبار ہے وہ سب کا سب آپ کا املا کرایا ہوا ہے اسی لئے ہر مخطوطہ کی تحریر جداگانہ ہے

جن میں بعض بہت خوشخط ہیں اور بعض انتہائی بدخط، آپ کے آدھے درجن کے قریب رسائل اور تالیفات ہیں وہ سب بول کر لکھوائی گئی ہیں، ان میں عربی تصنیفات بھی ہیں اور اردو تصنیفات بھی۔

حدیث و دیگر علوم و فنون مولانا پنجابی نے دارالعلوم دیوبند میں کن اساتذہ سے کیا کیا کتابیں پڑھیں؟ اس کا پتہ چلانے کا کوئی مستند ذریعہ ہمارے پاس نہیں، سب سے پہلے تو یہی معلوم کرنا مشکل ہے کہ آپ دیوبند کس سال گئے اور کتنے دنوں دارالعلوم میں داخل رہے، انھوں نے اپنے مئونات بھنجن میں اپنے آنے کا سال ۱۲۹۸ھ لکھا ہے اگر سات آٹھ سال دیوبند میں قیام رہا تو آپ ۱۲۹۱ھ میں دارالعلوم پہونچے ابھی مدرسہ چھتہ مسجد سے منتقل ہوکر جامع مسجد آچکا تھا اس دور میں مولانا یعقوب نانوتوی بھی رہے اور مولانا سیّد احمد دہلوی معلوم نہیں کس سے کیا پڑھا لیکن مولانا پنجابی کا منطق و فلسفہ اور علم کلام میں تبحر و کمال کا پتہ جوان کی کتاب سے امتناع الکذب کے موضوع پر ہے چلتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ فن دارالعلوم کے متبحر اساتذہ سے سیکھا ہے، عربی مدارس میں سب سے اہمیت علم حدیث کی تعلیم کو حاصل ہے اور طلبہ اپنے دور کے کسی مشہور محدّث ہی سے دورۂ حدیث پڑھنا چاہتے ہیں اور یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ مولانا پنجابی نے حدیث اس دور کے مشہور محدّث مصحح بخاری سے پڑھی ہے جیسا کہ مفتی ریاست بھوپال مولوی محمد یحیٰی نے اپنے سفارشی خط میں مولانا ہی کے بیان پر یہ تحریر کیا ہے کہ موصوف نے علم حدیث

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے جن کا تصحیح بخاری کا احسان تمام علماء پر ہے پڑھی ہے۔

علم و فضل

مولانا پنجابی کا علم و فضل میں کمال ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے ان کی قوتِ حافظہ انتہائی قوی تھی ان کو اپنی قومی تاریخ ازبر تھی اپنے وطن کے جغرافیائی حالات قومی خصوصیات اس علاقہ کے نظام مملکت مختلف شہروں کے خود مختار زمینداروں اور خانوں کے سلسلے میں ان کی معلومات بہت مفصل ہیں، افغانوں کی قومی زندگی کے اصول قوانین طریقہ بود و باش اور طرز حکمرانی پر ان کی نظر وسیع تھی، یہ ساری معلومات تو ان کو خود ان کی زندگی نے فراہم کی ہیں، علوم اسلامی میں ان کی نگاہ دقیقہ رس تھی اس کے ثبوت میں وہ تمام رسائل جو انھوں نے دقیق ترین مسائل پر قلمبند کرائے ہیں پیش کی جاسکتی ہیں ان میں انھوں نے بہت ہی عالمانہ اور مبصرانہ بحث کی ہے، منطق و فلسفہ اور علم کلام میں کمال کے سلسلے میں ان کے دو رسالے پیش کئے جا سکتے ہیں جن کا تصانیف کے سلسلہ میں ذکر آئے گا، علم حدیث میں بھی ان کی نظر وسیع تھی یہ جوہر اس وقت کھلتا ہے جب وہ قرأۃ خلف الامام یا رفع یدین کے سلسلہ میں نقادانہ بحث کرتے ہیں روایتوں کی سند پر کلام کرتے ہیں اس نزاعی مسئلہ پر بھی ان کے دو رسالے ہیں ان کی کتاب البلاغ المبین اگرچہ اس کا موضوع سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوتی جد و جہد کو پیش کرنا ہے مگر آپ نے اس سلسلہ میں زیادہ تر صحاح ستہ کے حوالے دیئے ہیں اور ایک ہی واقعہ کے سلسلہ میں

Scanned by CamScanner

متعدد روایتیں پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک دو کتابوں پر انحصار نہیں کرتے بلکہ پورے ذخیرہ حدیث میں اپنے موضوع سے متعلق روایتیں تلاش کرتے ہیں، آپ کے رسالوں میں اسلامی تاریخ کی کتابوں کے حوالے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں کمیاب تھیں، علم کلام کے سلسلہ میں تمام اہم ترین کتابوں کے حوالے ان کی تحریروں میں موجود ہیں غرضیکہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد وہ ایک مکمل عالم دین اور محقق علوم اسلامیہ میں ماہر بن کر نکلے ہیں۔

بیعت

دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت لے کر فضلاء عام طور سے کسی نہ کسی بزرگ عالم اور شیخ و مرشد سے بیعت ہو جاتے تھے کچھ لوگ بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی سے کچھ حضرات گنگوہ جا کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے اپنا تعلق باطنی قائم کر لیتے تھے مگر مولانا پنجابی کی نگاہ انتخاب اولیں زمانہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی پر پڑی۔ اس انتخاب کی وجہ شاید یہ ہو کہ مولانا پنجابی کے استاذ حدیث مولانا احمد علی محدث سہارنپوری جب بخاری شریف کے اس نسخہ کی تصحیح مکمل کر چکے جو وہ مکہ مکرمہ سے نقل کر کے لائے تھے تاکہ پریس قائم کر کے اس کی طباعت کریں تو یہ صحیح کردہ مخطوطہ لے کر محدث سہارنپوری مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں گئے تھے اور اس پر نظر ثانی کی درخواست کی تھی، اور آپ نے کئی مقامات کی نشاندہی فرمائی تھی اس کے مطابق محدث سہارنپوری نے عمل بھی کیا تب اس کے بعد بخاری شریف

Scanned by CamScanner

پر حواشی لکھ کر اپنے پریس سے ہندوستان میں سب سے پہلے بخاری شریف شائع کی، ممکن ہے مولانا پنجابی کے علم میں یہ واقعہ رہا ہو کہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کا عظیم ولی و مرشد ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا بلند علمی مقام ہے اس لئے ان کے دل میں یہ خیال آیا ہو کہ ایسی ہی شخصیت سے بیعت ہونا چاہیئے اور آپ نے گنج مرادآباد جاکر بیعت کرلی ہو۔

مولانا پنجابی نے بیعت ہونے کے سلسلہ میں کبھی اپنی خودنوشت میں کہیں ذکر نہیں کیا ہے یہ راز تو اس وقت کھلا جب مفتی ریاست بھوپال نے مولانا پنجابی کے وظیفہ اور کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں سفارشی خط لکھا اس میں ضمناً اس کا بھی تذکرہ آگیا مفتی صاحب نے اپنے سفارشی خط میں بیگم بھوپال کو لکھا تھا کہ آپ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں رہ کر آپ نے اپنی تعلیم مکمل کی، اور فراغت کے بعد مولانا گنج مرادآبادی سے بیعت ہوکر کچھ دنوں آپ کی خدمت میں رہے۔ چونکہ شیخ و مرشد حقہ نوشی کے عادی تھے مولانا پنجابی بھی شاید اسی صحبت میں حقہ نوشی کے عادی ہوگئے تھے۔

باب (۲)

قصبہ مئوناتھ بھنجن میں قیام

مولانا پنجابی دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہونے کے بعد ۱۲۹۸ھ میں قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ آگئے، آپ کی موجودگی میں بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ۱۲۹۷ھ میں انتقال ہوچکا تھا، شاید اس عظیم حادثہ کے بعد ہی آپ گنج مرادآباد چلے گئے اور شیخ ومرشد کی خدمت میں رہ پڑے، میرا خیال ہے کہ جس طرح مولانا گنج مرادآبادی اپنے مخصوص خلفاء اور مسترشدین کو بعض بعض علاقوں میں اصلاح کی غرض سے متعین فرمایا کرتے تھے مولانا پنجابی کو بھی انھوں نے اس دیار میں بھیجا ہوگا تاکہ وہاں وہ مستقل قیام کریں اور اشاعت دین، دعوت وتبلیغ اور اصلاح معاشرہ کے فرائض انجام دیں، مولانا پنجابی حکم مرشد کے زیر اثر مئو چلے آئے اور پھر وہ یہاں

سے مرکر اُٹھے، شیخ و مرشد کے حکم کی تعمیل میں اپنی پوری زندگی صرف کردی، تعلیم و تدریس، وعظ و نصیحت، بدعات و خرافات، غلط رسم و رواج کے خلاف مسلسل جد و جہد کرتے رہے اور قدرت نے ان کو کامیابیوں سے نوازا، ہر محاذ پر وہ فائز المرام رہے۔

درس و تدریس

قصبہ مئو کے محلہ یوسف پورہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں آپ نے طرح اقامت ڈالدی اور متوکلاً علی اللہ یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ بعض معزز علمی گھرانوں نے مولانا پنجابی کے علمی مقام و مرتبہ کو پہچانا اوران سے رابطہ بڑھایا اور جب وعظ و تقریر اور گفتگو سے مولانا پنجابی کے علم و فضل کا ظہور ہوا تو ان گھرانوں نے مولانا سے درخواست کی کہ ان کی اولاد کو علوم اسلامیہ کی تعلیم دیدیں اور ان گھرانوں نے اپنے شوقین اور ذہین لڑکوں کو مولانا کے سپرد کردیا اور اسی مسجد میں محفل درس قائم ہوگئی اور برسوں یہ محفل قائم رہی افادہ و استفادہ کا سلسلہ مسلسل جاری رہا، مولانا پنجابی کے ایک سعادتمند شاگرد مولانا عبد الغفار صاحب جنھوں نے حدیث حضرت گنگوہی سے پڑھی اور محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کے استاذ ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ:

"میں نے مولانا پنجابی سے شرح جامی، شرح تہذیب، قطبی، تصورات مع حاشیہ میر قطبی پڑھی ان کے علاوہ میں نے آپ سے شافیہ کنز الدقائق تلخیص المفتاح، مختصر المعانی اور علم الفرائض پڑھیں"

ظاہر ہے کہ مولانا عبد الغفار صاحب تنہا نہیں رہے ہوں گے ان کے ساتھ پوری

جماعت شریک درس رہی ہوگی اور درس تدریس کا ۲۵ ـ ۳۰ سال تک سلسلہ جاری رہا بہت سے طلبہ نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہوگا با عظمت تلامذہ میں مولانا عبد الغفار صاحب اور ان کے بھائی مولانا ابوالحسن جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں وہ بھی مولانا پنجابی کے شاگردوں میں تھے، مولانا ضمیر احمد قدسی جنھوں نے حدیث شیخ الہند سے پڑھی تھی وہ بھی مولانا پنجابی کے عزیز ترین شاگردوں میں تھے آپ کے رسالہ کی کتابت کرتے تھے۔

بعض دوسرے مقامات پر مولانا پنجابی نے اپنی مسجد میں جو سلسلہ درس قائم کر رکھا تھا اس کا فیض تو بہت دنوں تک جاری رہا لیکن مقامی روایات میں یہ بھی ہے کہ مولانا پنجابی قصبہ بہادر گنج ضلع غازی پور جو قصبہ مئو سے جانب مشرق ۸ میل کے فاصلہ پر ہے وہاں بھی کچھ دنوں تک تدریسی فرائض انجام دیئے ہیں جیسا کہ مولانا عبد الغفار صاحب شاگرد مولانا پنجابی کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے توضیح تلویح اور حمد اللہ مولانا پنجابی سے ان دنوں پڑھیں جب مولانا موصوف قصبہ بہادر گنج میں فرائض تدریس انجام دے رہے تھے"

دینی مدرسہ کا قیام مولانا پنجابی وعظ ونصیحت کیلئے قصبہ ادری بھی آیا کرتے تھے یہاں دینی تعلیم کا کوئی نظم نہیں تھا

Scanned by CamScanner

نہ کوئی عالم تھا نہ نئی نسل تعلیم حاصل کر رہی تھی کیونکہ یہاں کسی مکتب کا بھی وجود نہیں تھا اس لئے آپ نے لوگوں کو توجہ دلائی اور قصبہ کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ "فیض الغربا" کے نام سے قائم کر دیا، عوام میں کچھ بیداری آئی تو چند سربرآوردہ افراد نے جامع مسجد کے فرش سے متصل جانب مشرق میں ایک طویل سائبان تعمیر کر دیا اور اس کے شمالی حصہ میں ایک کمرہ استاد کے لئے بنا دیا، اور اطراف و جوانب کے سربرآوردہ اور ممتاز افراد کو مدرسہ کی انتظامیہ کا رکن بنایا یہ مدرسہ عرصہ تک جاری رہا اور سیکڑوں طلبہ اسی مدرسہ کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی راہ پر لگے آخری دور میں مولانا پنجابی کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد زماں اس کے مدرس رہے، یہ مدرسہ تقریباً پچاس پچپن برس تک قائم رہا اور اسی مدرسہ کے صدقے میں قصبہ ادری میں تعلیمی بیداری پیدا ہوئی پھر علماء و حفاظ کی وہ کثرت ہوئی کہ اطراف و جوانب میں اس کی کم مثالیں تھیں، اس مدرسہ میں ۱۹۳۰ء یا ۱۹۳۱ء میں مولانا عبدالجبار صاحب رضا معروفی جو بہت بڑے شیخ و مرشد ہوئے اور جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد کے شیخ الحدیث ہوئے یہاں کئی برس تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اس مدرسہ نے لوگوں میں دینی شعور پیدا کیا دینی علوم کو عام کرنے کا ذریعہ بنا اور عوام و خواص نے دین کی صحیح تعلیم کو جانا پہچانا کہ ۱۹۳۳ء میں قصبہ ادری کے اندر ایک تاریخ ساز مناظرہ ہو گیا جس کی وجہ سے قصبہ کے مسلمانوں میں دو گروہ ہو گئے، اس اختلاف کی سب سے پہلی زد جامع مسجد اور مدرسہ پر پڑی، اور پھر مدرسہ

ٹوٹ گیا اور اہل حق نے دوسرے مدارس قائم کئے۔

شاہی مسجد کٹرہ اور عیدگاہ قصبہ

مولانا پنجابی کی مئو تشریف آوری کے وقت جامع مسجد شاہی کٹرہ مئوناتھ بھنجن اور اس کی عیدگاہ بوسیدہ، خستہ اور ان کے کھنڈر ہو جانے کی کیفیت سے دوچار تھی، جس کو کٹرہ کہا جاتا ہے اور ایک وسیع و عریض قلعہ نما احاطہ بند عمارت تھی جس کی چاروں سمتوں میں محدب چونا گچ کے بنے ہوئے محدب کمرے تھے جیسا کہ مغلیہ دور کی عمارتوں میں ہوتا تھا اس احاطہ بند عمارت کے جنوبی مغربی گوشے میں تین دروں کی ایک مسجد تھی بیچ میں بہت ہی لمبا چوڑا صحن تھا اس قلعہ نما عمارت کے دو بڑے گیٹ تھے ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں، انگریزی دور حکومت میں دونوں گیٹ مسمار کر کے سڑک اور عام گذرگاہ بنا دیا گیا تھا اس طرح مجموعی طور پر کٹرہ کی چوطرفہ عمارت دو حصوں میں منقسم ہو کر اپنی اصلی ہیئت سے محروم ہو گئی، یہ تمام صورت حال مولانا پنجابی کی نگاہ میں تھی، اس سلسلہ میں ان کے کاغذات میں ایک مخطوطہ موجود ہے جس میں شاہی مسجد اور عیدگاہ کا ذکر ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں :

"تیرہویں صدی ہجری میں مسجد جامع واقع اندرون کٹرہ قصبہ مئوناتھ بھنجن جس کی بانی جناب عصمت قباب سپہر حجاب نواب جہاں آرا بیگم دختر شاہ جہاں صاحبقراں بادشاہ کی ہیں جا بجا سے شکستہ و ریختہ ایسی ہو گئی تھی کہ ناظر کو ویرانے کے طور پر مسکن وحوش و طیور کا معلوم ہوتی تھی، یہ نا چیز

سمجھا جاتا تھا کہ یہ مسجد معبد اہل اسلام ہے بلکہ بعض اوقات بعض بعض مخالفین اس کے صحن میں گھوڑے وغیرہ باندھ دیا کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اس کا والی اور متولی نہیں ہے، اسی طرح عیدگاہ قدیم واقع محلہ اورنگ آباد قصبہ مذکور جس کا بانی مرزا عوض بیگ مستاجر ہے بوسیدہ، ریختہ و شکستہ ہوگئی تھی اس کا بھی کوئی بظاہر والی و متولی نہیں معلوم ہوتا تھا یہ دونوں معبد اسلامی اس زمانے تک اگر بے مرمت رہ جاتے تو مثل کٹرہ قصبہ مذکور کے گورستان غریباں بن جاتے ان کی اینٹیں وغیرہ بھی اہل اسلام کے ہاتھ نہ آتیں ہماری گورنمنٹ نیلام کرا کے کسی دوسرے مصرف میں صرف فرماتی جیسا کہ کٹرہ کے دروازہ شرقی و غربی کی اینٹیں نیلام ہوکر کے داخلی مصارف سرکار ہوئیں"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب شاہی مسجد کٹرہ اور عیدگاہ کے نظام کو درست کرنے کے لئے مسلمانان مئو نے مولوی عبدالمجید صاحب کو ان دونوں کا متولی بنایا تو کچھ شرپسندوں نے اس کی مخالفت کی تھی اور عدالت منصفی محمد آباد گوہنہ میں درخواست دیدی تھی اور مولانا پنجابی کو بحیثیت ایک مستند عالم دین اور تاریخ مئو کے ایک واقف کار کے عدالت میں حاضر ہوکر صحیح مذہبی صورت حال بیان کرنے کے لئے طلبی ہوئی تھی، یہ تحریر غالباً عدالت میں پیش کرنے کے لئے لکھائی گئی تھی کیونکہ اس تحریر کے آخری الفاظ یہ تھے :

"جب ہمارے علماء کے نزدیک اس قسم کی تولیت جائز ہے، صحیح ہے تو

پھر اس تولیت میں کیا کلام، بلاشبہ صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تولیت مولوی عبدالمجید کا واسطے مصالح ان دونوں معیدان اسلامی کے صحیح اور جائز ہے"

اسی مخطوطہ پر اس درخواست کی نقل بھی موجود ہے جو مولانا پنجابی کی طرف سے عدالت میں پیش کی گئی تھی اس درخواست کے الفاظ یہ ہیں:

"بحضور فیض گنجور منصف صاحب منصف عدالت محمد آباد ضلع اعظم گڈھ گذارش ہے کہ حضور نے سمن میرے حاضر ہونے کا عدالت محمد آباد تاریخ ۵ مارچ ۱۹۰۸ء معہ کتبات تاریخ مئو مصنفہ مدعی جاری کیا تھا، لہذا معہ کتبات تاریخ مئو حسب الطلب حاضر ہوں اور اس لفافہ میں پیش کرتا ہوں۔ ابوالفضل امام الدین خاں ساکن محلہ یوسف پورہ مئو ناتھ بھنجن مصنف کتبات تاریخ مئو"

اس لفافہ میں آپ نے جو دستاویزات پیش کی ہیں ان میں سے بعض دستاویزات کی نقل بھی مولانا کے کاغذات میں موجود ہے، اس میں ایک دستاویز جہانگیر بادشاہ کا فرمان ہے جس میں شیخ محمد ابراہیم ساکن قصبہ مئو کو پندرہ بیگھہ زمین مزروعہ دینے کا حکم دیا گیا ہے یہ فرمان سنہ ساتویں سال جلوس میں جاری کیا گیا تھا، شیخ ابراہیم غالباً شاہی مسجد اور عیدگاہ کے امام یا متولی رہے، دوسرا شاہی فرمان جہاں آرا بیگم دختر شاہجہاں بادشاہ کا ہے جس کی عملداری میں قصبۂ مئو تھا اس فرمان میں شیخ عبدالقادر ولد شیخ عبدالحلیم جو شاہی مسجد کٹرہ مئو کے خطیب

Scanned by CamScanner

اور امام تھے ان کی مدد معاش کے لیے تیس بیگھہ زمین بنجر پرگنہ مئو سے دیئے جانے کا ذکر ہے۔

تیسرا شاہی فرمان اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کا ہے جس میں شیخ عبدالقادر خطیب و امام شاہی مسجد کٹرہ کو پانچ روپیہ ماہوار دیئے جانے کا حکم دیا گیا ہے اسی کے ساتھ ملا منور جاروب کش و موذن مسجد جامع مسجد کٹرہ کو یک نیم تنگہ عالمگیری یومیہ اور شیخ عبدالحلیم امام وغیرہ مسجد پختہ غیر جامع کلاں بنا ساختہ عوض بیگ پنج نیم دام عالمگیری یومیہ فاضل محمد امام وغیرہ مسجد شیخ شاہا کے متعلق جاری کیا گیا ہے۔

یہ تینوں فرمان شاہی بطور ثبوت کے مولانا پنجابی نے عدالت منصفی محمد آباد ضلع اعظم گڈھ داخل کیے تھے ان تمام کاغذات سے غالباً آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسلمان اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت اور اس کی جائداد کی حفاظت کے لیے متولی ہوتے رہے ہیں اور ان کو تقریباً چار سو سالوں سے یہ حق حاصل ہے کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں اسی استحقاق کے ثبوت کیلئے اپنے اثر ورسوخ کی بدولت یہ شاہی فرامین حاصل کیے اور ان کی نقلیں عدالت میں پیش کیں۔

شاہی مسجد کٹرہ

کٹرہ کی شاہی مسجد ایک تین دروں والی چھوٹی سی مسجد تھی جیسی کہ عام طور سے مغلیہ دور کی شاہی مسجدیں ہیں،

کٹرہ کی مسجد بھی ایک بڑے گنبد کے ہال کی تھی جس میں ایک بلند وبالا مرکزی

محراب تھی اور اس کے دائیں بائیں دو چھوٹے چھوٹے بلا کواڑ کے دروازے تھے اس مسجد میں بہت تھوڑے سے مصلیوں کی گنجائش تھی، بیسویں کے بالکل آغاز میں مولانا پنجابی کی تحریک اور توجہ دہانی پر مسلمانان قصبہ نے اس کی توسیع واضافہ کا ارادہ کیا اور شاہی مسجد شمال و جنوب میں چوگنا اضافہ کرکے چار گنا مصلیوں کے لئے گنجائش پیدا کی گئی اور قصبہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کے مدنظر یہ اضافہ ضروری تھا لیکن اس طویل عمارت کے سامنے کوئی سائبان نہیں تھا جس کی وجہ سے مسجد ادھوری اور ناقص معلوم ہوتی تھی اور مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے سائباں کی ضرورت بھی تھی۔

سائبان کی تعمیر

مولانا پنجابی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے آپ نے متعدد وعظوں میں مسلمانوں کو مسجد میں سائبان بنانے کی طرف توجہ دلائی اس کی ضرورت واہمیت بھی بتائی باربار کی تقریروں کے باوجود عوام اپنی مفلوک الحالی اور افلاس کی وجہ سے اس کے لئے آمادہ نہیں ہوسکے اور کسی نے آگے بڑھ کر اس اپیل پر لبیک نہیں کہا تب آپ نے ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد جو تقریر فرمائی اس میں آپ نے یہ تجویز رکھی کہ امسال بقرعید میں تمام لوگ چرم قربانی کا ایک شخص خاص کو مالک بنادیں متفرق طور پر فروخت نہ کریں اس کو یکجائی طور پر فروخت کرکے اس کی رقم سے سائبان کی تعمیر کرادی جائے، عوام کو یہ تجویز پسند آئی اس پر لوگوں نے عمل بھی کیا، البتہ بعض لوگوں نے اس کو شرعی نقطہ نگاہ سے غلط کہا، سوال وجوا

ہوئے آپ نے جمعہ کی تقریر میں مسئلہ کی وضاحت فرمائی مگر کچھ خاص ذہن کے لوگوں نے اس مسئلہ کو ہوا دی تب آپ نے ان کی تردید میں اس مسئلہ پر ایک مختصر سا رسالہ مرتب کر کے شائع فرمایا، عام روایت یہی ہے مگر افسوس کہ مجھے مولانا کے کاغذات میں اس رسالہ کی نقل دستیاب نہیں ہوئی۔

جوش جہاد کا فطری جذبہ تیرہویں صدی کے بالکل آخر میں انسداد گاؤ کشی کی ایک تحریک مشرقی اتر پردیش میں اٹھی اس کا سرچشمہ اور مرکز تو ضلع بلیا تھا لیکن ضلع اعظم گڈھ کا مشرقی حصہ اس سے زیادہ متاثر ہوا، یہ ایک جارحانہ تحریک تھی کچھ شر پسند عناصر نے ایک مسلح جتھہ جمع کر لیا تھا وہ ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر مسلم آبادیوں پر حملہ کر کے قتل و غارت گری اور لوٹ کھسوٹ کر رہا تھا اس مسلح جتھہ کا سب سے پہلا نشانہ موضع ادری ضلع اعظم گڈھ تھا لیکن کچھ غیبی مدد سے حملہ آور مجمع یہاں سے معززین سے صلح کر کے قربانی کے ایک جانور کو لے کر چلا گیا اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، اس درندہ صفت لشکر کا ایک حصہ قصبہ کوپا گنج پر حملہ آور ہوا اور بڑی تباہی مچائی اور ایک بڑی بھیڑ قصبہ مئو کی طرف بڑھی تاکہ وہاں اپنے اسلحہ کی تیزی آزمائے اس دور میں حکومت کا نظام بہت ڈھیلا تھا نہ اتنے تھانے تھے نہ پولیس کی ضروری تعداد اس لئے یہ بھیڑ بے لگام جانور کی طرح جس طرف چاہتی بڑھ جاتی جب یہ مسلح بھیڑ قصبہ مئو پر حملہ آور ہوئی تو مسلمانان قصبہ کی طرف سے مزاحمت ہوئی، یہ واقعہ مولانا پنجابی کے قیام مئو کے بعد کا واقعہ ہے، یہ کفر و اسلام کی

جنگ بن گئی تھی باہر سے آنے والی یہ بھیڑ مسلح ہو کر حملہ آور کی حیثیت سے مئو میں داخل ہوئی پورے قصبہ میں تہلکہ مچ گیا اس وقت قصبہ کی آبادی بہت مختصر تھی اور صرف بنکروں پر مشتمل تھی جن کو جنگ و جدال سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا وہ اس ناگہانی حملہ سے نہایت اضطراب میں مبتلا ہو گئے، اس صورتِ حال کو دیکھ کر مولانا پنجابی کا فطری جذبۂ جہاد شباب پر آ گیا آپ نے مدافعت کرنے والے مسلمانوں کو تقریروں سے جوش دلایا اور ان میں ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی ہمت دلائی، معرکہ کارزار گرم ہوا، انسانی خون سے زمین لالہ زار ہو گئی۔

اس ہولناک واقعہ پر اس دور کے اہل علم نے نظم و نثر میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا اس سلسلہ میں متعدد مثنویاں لکھی گئیں ان میں سب سے مشہور مثنوی علامہ شبلی نعمانی کے استاد مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کی ہے دوسری مثنویوں میں مولانا بشیر اللہ صاحب امام شاہی مسجد مئو اور مولوی نور محمد صاحب کی مثنویوں کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، مولانا پنجابی کے شاگرد مولانا عبدالغفار صاحب نے اپنی کتاب میں ایک مثنوی کے چند اشعار مولانا پنجابی کی ذات سے متعلق ہیں نقل کئے ہیں وہ اشعار یہ ہیں:

دینداروں کے کماں افسر بھی تھے — مولوی اک صوبۂ پنجاب کے
نام امام الدین، پنجابی لقب — ہمت و جرأت میں یکتا منتخب
دیتے تھے ترغیب اور تحریص جنگ — تا بڑھیں دل اور پیدا ہو اُمنگ

(مثنوی فریاد مظلوم قلمی)

نکاح بیوگاں کی تحریک

ہندوؤں میں بیواؤں کی شادی نہیں ہوتی تھی اس کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا، شادی بیاہ کی تقریبات میں اس کو شریک ہونے سے روکا جاتا تھا ساری زندگی ننگی بوچی اجاڑ شکل وصورت بنائے گذر کرتی اور مر جاتی، ہندوؤں سے متاثر ہو کر ہندوستان کے شیوخ اور افغان قوم میں بھی یہ رسم جاری تھی کہ بیواؤں کی شادی سخت معیوب سمجھی جاتی تھی، ظاہر ہے کہ یہ شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، یہ عورتوں پر مصنوعی شرافت کے غرور میں ظلم عظیم تھا، سب سے پہلے مولانا اسمٰعیل شہید نے اس رسم بد کے خلاف جہاد شروع کیا اس کے بعد سب سے اہم کردار اس سلسلہ میں بانی دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ادا کیا آپ نے اس قبیح رسم کے خلاف مسلسل تقریریں کیں اور جب مصنوعی شرفاء نے خود حضرت نانوتوی کو طعنہ دیا کہ آپ کی بوڑھی بہن بیوہ ہے پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے تو حضرت نانوتوی نے اپنی بوڑھی بہن کے پیر پر اپنی ٹوپی اتار کر رکھ دی کہ وہ شادی کرلیں تاکہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کو زندہ کرنے کا ثواب حاصل کر سکوں۔ بہن نے بھائی کی بات مان لی حالانکہ آپ کے بال سفید ہو چکے تھے مگر آپ نے شادی کرکے اس رسم بد کے مٹانے میں عملی طور پر سبقت کی۔

مولانا پنجابی کے دار العلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانہ کا قصہ ہے، آپ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی اور جب آپ ۱۲۹۸ھ میں مئو آئے تو کچھ دنوں کے بعد افغان برادری کے بارے میں معلومات حاصل کیں ان کی آبادیوں اور

خاندانوں کا پتہ چلایا ان کی مذہبی اور سماجی حالات سے واقفیت حاصل کی تو
اس سلسلہ میں آپ کو معلوم ہوا کہ افغان برادری میں بھی یہ خلاف شریعت رسم
جاری ہے آپ نے اس کے خلاف جہاد شروع کر دیا اور ان کو سمجھایا کہ ہمارے رسول
صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری ازواج مطہرات سوائے ایک کے سب بیوہ تھیں، ہم
جن پر ایمان رکھتے ہیں جن کی شفاعت کے امیدوار ہیں اور ساری دنیا سے ان
کو افضل و برتر مانتے ہیں وہ تو بیواؤں کی شادی کو ترجیح دیتے ہیں اور خود عمل کر کے
دکھا دیتے ہیں کیا حضور سے معزز اور برتر کوئی دوسرا ہو سکتا ہے، پھر ہم اپنی
بیواؤں کو شادی سے روک کر نعوذ باللہ خود کو حضور سے برتر اور معزز سمجھتے ہیں، اللہ
و رسول کے حکم کی خلاف ورزی ترک کر دو، کافروں کے طریقہ پر مت چلو، اللہ و رسول
کی راہ اختیار کرو، آپ نے اس سلسلہ میں مسلسل تقریریں کیں اطراف و جوانب
میں آباد افغان برادری کی آبادیوں میں جا کر لوگوں کو اس کافرانہ رسم کو مٹانے پر
آمادہ کیا، اسی سلسلہ میں آپ افغانوں کی ایک آبادی شاہ پور تشریف لے گئے جو
قصبہ اودری سے جانب مشرق ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے وہاں بھی آپ نے
اس کے خلاف مسلمانوں کو آمادہ کیا، لوگ متاثر ہوئے ان کو معلوم تھا کہ مولانا پنجابی
افغان سالار زئی ترکانی افغان ہیں انھوں نے پیشکش کی کہ گوہر خاں کی بیوہ سے
آپ نکاح کر لیں، مولانا نے اس کو منظور کر لیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک
مردہ سنت کو زندہ کرنے کا اجر حاصل ہوگا آپ نے ان سے فوراً شادی کر کے اپنا
عملی نمونہ پیش کر دیا۔ خدا کے فضل سے یہ شادی بابرکت ثابت ہوئی اور آپ کی
نسل اسی بزرگ خاتون کے ذریعہ چلی، اور نیک نام ہوئی۔

Scanned by CamScanner

(۳)

باب

مئو اور اس کے اطراف اور افغان قوم کی تاریخ سے دلچسپی

یہ عجیب حیرتناک بات ہے کہ مولانا پنجابی ایک زاہد مرتاض صوفی سانی بزرگ تھے، ورد و وظائف کے پابند ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہنے والے سادہ مزاج اور سادہ طبیعت کے مالک تھے شب و روز دین کی خدمت، دینی علوم کی اشاعت میں مصروف رہتے تھے بالعموم ایسے بزرگوں کو تاریخ سے دلچسپی نہیں ہوتی، کیونکہ یہ دنیاوی علوم میں سے ہے، ظاہر ہے کہ جن کی دلچسپی خالص دین سے ہو ان کا دنیا سے تعلق برائے نام ہی ہوتا ہے ان کی زندگی کا اصول

ہوتا ہے ؎

ازما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم

ان تمام حقائق کے باوجود مولانا پنجابی کو قصبہ مئو، موضع ادری موضع شاہ پور خود افغان قوم کی تاریخ اتنی تفصیل سے معلوم تھی کہ اس دیار کے اہل علم کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی جبکہ مولانا اس دیار میں نووارد تھے اور اس دیار سے قطعاً ناواقف تھے اس کے باوجود اس سلسلہ میں آپ کی معلومات اتنی وسیع تھیں کہ عدالت میں تاریخ مئو کے ایک واقف کار کی حیثیت سے پیش ہوئے، بعض شخصیات کے متعلق مولانا پنجابی سے سوال کیا گیا تھا تو اس کے جواب کے سلسلہ میں آپ نے قصبہ مئو کی تاریخ پر بھی اجمالی روشنی ڈالی تھی ان کی خود نوشت میں اس سلسلہ میں یہ تفصیل ملتی ہے۔

"تحقیق و تفتیش سے یہ معلوم ہوا کہ یہ قصبہ (مئو) مدت دراز تک زیر حکومت بادشاہ بیگم دختر شہاب الدین شاہجہاں بادشاہ غازی بن جہانگیر شاہ بن جلال الدین اکبر شاہ بن شاہ ہمایوں بن بابر ظہیر الدین شاہ کے تھا اور اس نیک دختر نے اس قصبہ خاص میں ایک عمارت شاہی تعمیر فرمایا جو آج کل بنام کٹرہ مشہور ہے، اصل میں یہ کوٹ اور قلعہ تھا اور اس میں سپاہ اور امراء اور وکلاء اس شاہزادی کے سکونت پذیر تھے ....

... شاہزادی مذکورہ کا نام مشہور جہاں آرا بیگم ہے لیکن تاریخ

شاہ جہانی میں اس کو بادشاہ بیگم اور بیگم صاحبہ بھی لکھا ہے اور یہ شہزادی بہت بیدار مغز اور امور سلطنت میں اپنے بھائیوں سے زیادہ ہوشیار اور منتظم کار تھی اور اپنے پدر بزرگوار شاہجہاں بادشاہ کے نزدیک صاحب وقار و اعتبار تھی بادشاہ اس کے سوائے دوسرے کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتا تھا اور اشیاء خوردونوش شاہی اس کے روبرو اور حضور میں تیار ہوتی تھی اور اس کی ساٹھ لاکھ کی تھیں ، منجملہ طال جاگیرات اوس کے قصبہ مذکور بھی ہے اس شاہزادی کی والدہ ماجدہ صاحبہ کا نام ممتاز محل بیگم ہے ....
قبر شریف اس شاہزادی کی مقبرہ مطہرہ حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز میں ہے پائیں مزار حضرت شیخ میں واقع ہے ،،

(خود نوشت قلمی شوال المعظم ۱۳۲۴ھ)

افغان قوم کی تاریخ

افغان قوم ایک جری بہادر اور جفاکش قوم ہے جس کا تعلق مغربی پنجاب حدود افغانستان کی سرزمین سے ہے ہندوستان میں اسلام قبول کرنے والوں میں اس قوم کو اولیت حاصل ہے ، محمد بن قاسم نے اسی قوم کے علاقہ کو فتح کیا تھا اور وہاں پہلی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی تھی پھر وہاں سے اسلام بتدریج پورے ہندوستان میں پھیلا یہ قوم اپنے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتی ہے اور اپنے کو حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کی اولاد کہتی ہے اس لئے کچھ افغانی النسل اپنے کو اسرائیلی لکھتے اور کہتے ہیں ، مولانا پنجابی اس سلسلہ میں عام روایت

کے مطابق اپنی خود نوشت میں تحریر فرماتے ہیں :

" دانی بیٹا غورغشت کا ہے ، غورغشت بیٹا قیس عبدالرشید کا ہے قیس عبدالرشید عربی نژاد معلوم ہوتا ہے مولف کتاب " مخزن افغانی " نے اس کے نسب نامہ کو بیادل تک پہونچایا ہے اور بیادل کو بیٹا طالوت کا بتایا ہے اور طالوت قوم بنی اسرائیل سے تھا ، اور قوم بنی اسرائیل اولاد یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام ہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال دانی کے چار بیٹے ہیں پہلا کاکڑ ، دوسرا تاثر ، تیسرا پنیؑ جس کو عوام الناس پنی کہتے ہیں چوتھا داؤد زی ، تمام افغان ان چاروں کی اولاد سے ہیں ، لکھنے والے نے ایسا ہی لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب "

مولانا پنجابی نے دانی کے تینوں بیٹوں کا ذکر کر کے چھوڑ دیا صرف ایک بیٹے پنیؑ کا تفصیلی ذکر کیا ہے ، آپ نے اپنی خود نوشت میں اسی پنیؑ قوم کا محل وقوع وطن اور ہجرت کا حال لکھتے ہوئے کہا ہے :

" اصلی وطن قوم پنیؑ کا خطہ سیوے کا ہے اور خطہ سیوے متصل ملک کاکڑ کے ہے ، سیوے ایک سخت مٹی کا میدان ہے بعض جگہ پہاڑی نالے اس میں بہتے ہیں جس سے سیرابی کا فائدہ ہوتا ہے ، سیوے کا نیل بہت اچھا ہوتا ہے یہ دونوں علاقے یعنی ملک پنیوں اور کاکڑوں کا افغانستان کے دو بڑے پرگنوں کا نام ہے ، کل تعداد قوم پنیؑ کی جو اپنے قدیمی علاقہ میں آباد ہیں قریب اسی ہزار آدمی کے بتلاتے ہیں "

مختلف مقامات پر افغانی پنی

جو لوگ قوم پنی سے ہیں مختلف اوقات میں بغرض ملازمت جہاد، تلاش روزگار کے اپنے علاقے سے نکل کر ہندوستان کے مختلف خطوں میں آباد ہوئے، مولانا پنجابی نے تلاش و جستجو کے بعد کئی علاقوں کی نشاندہی کی ہے کہ اس قوم کے افراد کہاں کہاں آباد ہیں، اس سلسلے میں وہ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

"ایک موضع قوم پنی کا ضلع ہزارہ میں بھی ہے اور دکن کے ملک میں نہیں معلوم کہ کس تقریب سے قوم پنی کے بعض لوگ جا کر آباد ہوئے ہیں، دکن کے ملک میں قریب ایک ہزار آدمی اس قوم کا ہوگا راقم الحروف نے ملک بنگالہ میں قوم پنی کے ایک دو خاندان آباد دیکھے ہیں، وہ لوگ اب تک رئیس و زمیندار علاقہ کرو ڈیہہ پرگنہ ٹنگوایل ضلع نصیر آباد کے ہیں"

موضع ادری اور شاہ پور میں

اور ایک گاؤں علاقہ جہاں آباد عرف مئوناتھ بھنجن پرگنہ محمد آباد گوہنہ ضلع اعظم گڈھ میں قوم پنی کا مدت دراز سے آباد ہے اس گاؤں کا نام زمانہ حال میں شاہ پور ہے، جس کو شاہ عالم خاں نے آباد کیا، اس گاؤں کے باشندوں کا مورث اعلیٰ جو پہلے اس ملک میں کلانور بٹالہ سے آکر آباد ہوا ہے وہ سلطان علی خاں بن سلیم خاں ہے، سلطان علی خاں اصل میں کلانور بٹالہ سے جو یہ دو شہر ملک پنجاب میں مشہور و معروف ہیں دہلی میں آن کر بادشاہ وقت سے منصب پایا، پھر شاہی حکم سے پرگنہ مئوناتھ بھنجن کے حاکم ہوئے اور موضع

Scanned by CamScanner

اوری میں قیام کیا اور ایک مدت دراز تک باشندہ مع اہل و عیال کے موضع اوری کے رہے جب خان مذکور نے وفات پایا تو اس کے لڑکے فیروز خان نے موضع اوری سے جانب شرق تخمینا ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں آباد کیا جس گاؤں کا نام فیروز آباد ہوا، ایک مدت دراز تک اس بستی کا یہی نام مشہور و معروف رہا جب اس گاؤں پر کہنگی کے آثار پیدا ہوئے تو شاہ عالم خان نے جو اولاد سلطان علی خان سے ہیں اس کے قریب ایک دوسری بستی آباد کی اس کا نام اس زمانہ میں شاہ پور ہے۔

بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس گاؤں کو شاہ ارزاں صاحب قدس سرہ نے جو شہر پٹنہ عظیم آباد میں سجادہ نشین کاملین سے گذرے ہیں اور بہت بڑے مشائخ زمے مشہور و معروف ہیں کہ مریدان اکثر اطراف و جوانب میں اب تک موجود ہیں اور بہت سے معتقدین نے اپنے اپنے مواضعات سے قدرے زمینات شاہ صاحب موصوف کو جاگیرات میں دیا ہے جس کی سالانہ آمدنی کئی ہزار معلوم ہوتی ہے جب فیروز آباد کے باشندگان نے ان کو اپنا مرشد معظم بنایا اور اپنے اپنے اعتقادات کو حد سے زیادہ بڑھایا اور اس بستی پر کہنگی کے آثار ظاہر ہوئے تو شاہ صاحب مذکور نے اس کے متصل ایک دوسری بستی آباد کی جس کا نام شاہ پور ہے۔"

واللہ اعلم بالصواب

(خود نوشت قلمی)

Scanned by CamScanner

باب ۴

ریاست بھوپال سے ربط

مولانا پنجابی نے ایک کتاب "البلاغ المبین" عربی زبان میں تصنیف کی تھی جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوتی جد و جہد کو احادیث صحیحہ اور اسلامی تاریخ کی معتبر کتابوں سے بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا، یہ کتاب بڑی عالمانہ تھی اور قدرے ضخیم بھی تھی، اس کی طباعت کے وسائل نہیں تھے، مولانا پنجابی اسی کتاب کی طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں بھوپال تشریف لے گئے، اور سرکار عالیہ میں اپنی درخواست پیش کر دی، لیکن اس دور کی ریاستوں میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ریاست سے باضابطہ وابستہ علماء کی سفارش کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا،

اس لیے مولانا پنجابی نے درخواست پیش کر دینے کے بعد مفتی ریاست بھوپال مولوی محمد یحییٰ صاحب سے ملاقات کی اور ان سے اپنا تعارف کرایا اور اپنی تصنیفات کی ایک فہرست بھی دی، اور اپنی تعلیم حدیث اور بیعت کے سلسلہ میں بھی مفتی صاحب کو تفصیلات بتائیں، مفتی ریاست بہت متاثر ہوئے اور ایک پر زور سفارشی تحریر ریاست کے محکمہ میں ارسال فرمائی اس کی ایک نقل مولانا پنجابی کے کاغذات میں دستیاب ہوئی مگر وہ اس قدر بوسیدہ ہو چکی ہے کہ اس کا پڑھنا دشوار ہے جتنے جملے پڑھے جا سکتے ہیں ان کو یہاں نقل کیا جاتا ہے مفتی ریاست نے تحریر کیا:

" . . . . . مراسلہ سامی سے واضح ہے کہ ابوالفضل، مولوی امام الدین صاحب کی درخواست ردبکاری سرکار عالیہ میں پیش ہوئی ہے کہ انکی تالیف کے اجزا حدیثیہ کی اشاعت حضور سرکار عالیہ کی شاہانہ فیاضی پر منحصر ہے اور اہل وعیال کی پرورش کا ان پر بار ہے اگر خزانہ عامرہ سے ان کا وظیفہ مقرر ہو جائے تو تمام عمر دعا گو رہیں تعمیل ارشاد کے . . . مولوی صاحب سے ملاقات ہو کر معلوم ہوا کہ وہ پرانے اور معمر بزرگ قدیم روش کے ہیں مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارن پوری محدث کے جن کی تصحیح بخاری شریف کا تمام علماء پر احسان ہے، شاگرد ہیں، اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں، مولوی صاحب کی . . . . . واضح ہے کہ فن حدیث شریف و اسماء الرجال وغیرہ میں ہمیشہ وہ مشغول رہے ہیں اور فنون مذکورہ سے جیسی

مفتی ریاست بھوپال کا سفارشی خط

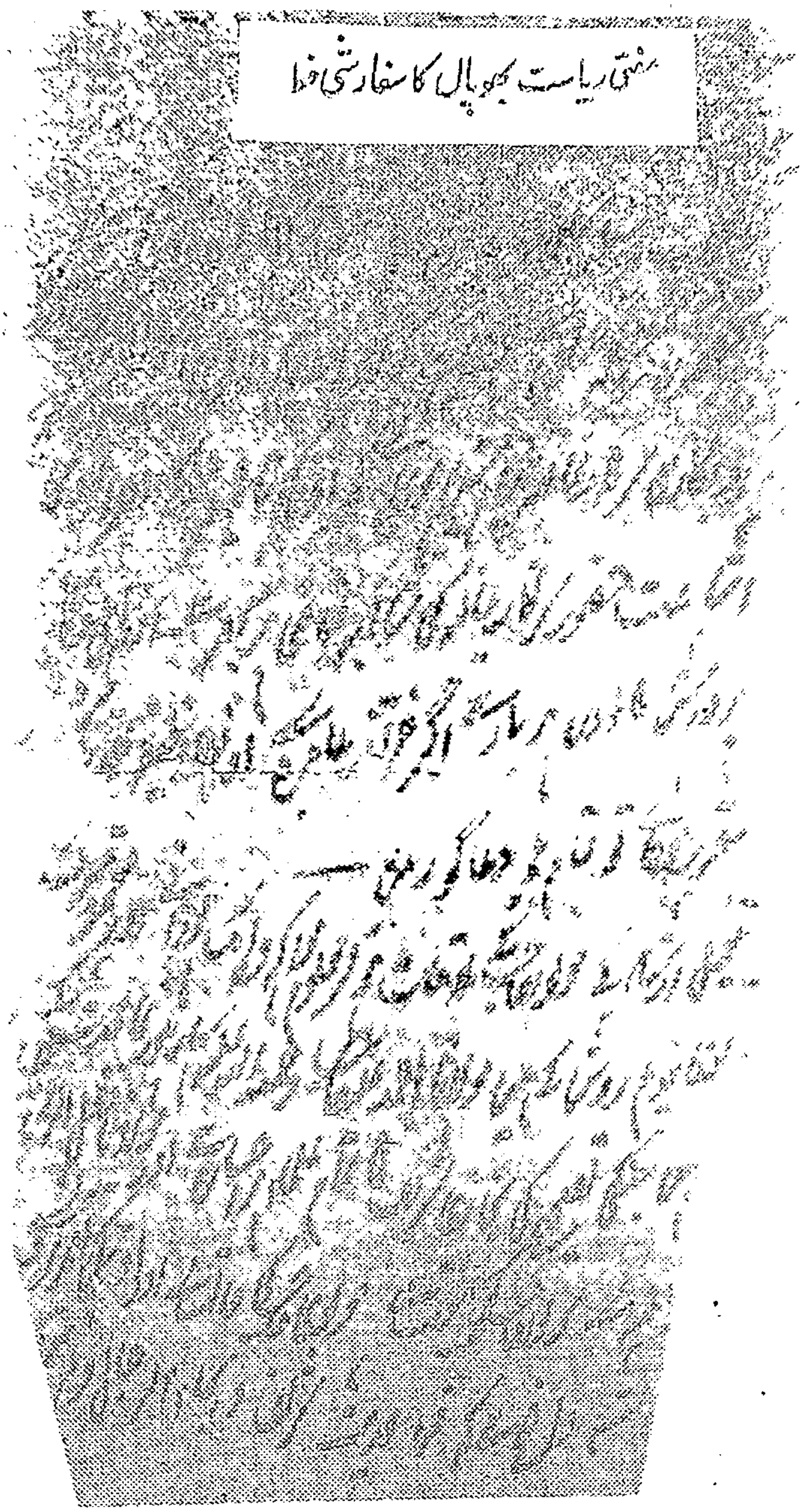

Scanned by CamScanner

[illegible]

[illegible]

واقفیت وآگاہی ان کی پائی جاتی ہے آج کل نایاب ہوتی جاتی ہے اور جیسی ہمت و جفاکشی، سفروں کی ملاقات و مطالعہ کتب حدیثیہ کے سبب سے اس وقت میں ان کی پائی جاتی ہے یہ بھی عزیز الوجود ہے۔ اپنی کتابیں جو انھوں نے بتائیں وہ حسب ذیل ہیں:

.... نسخ رفع الیدین	.... فی السکوت خلف الامام
تخمیناً ۵ جز	تقریباً ۱۵ جز
مصابیح الاطلاع	ربیع الانوار دربیان میلاد
۵ جز تقریباً	۶ جز تقریباً
التزویر در بحث نظیر	التحقیق دربیان امتناع کذب
۳ جز تقریباً	۱۰ جز تقریباً

.... اگر حضرت عالیہ حسب استدعائے مولوی صاحب اشاعت و طبع ہونا ان کی کتب کا پسند فرمادیں تو واقعی ایسی مفید اور بسیط تفسیر دلائل نقلیہ کی دوسری کتاب میں ایک جگہ مجتمع غالباً نہیں ملے گی بلکہ ان کے مآخذ بھی عام طور پر اکثر علماء کے دیکھنے میں بھی نہ آئے ہوں تو تعجب نہیں، بتقدیر منظوری طبع کے مسودات تالیف شدہ و تنقیح پر بالاستیعاب غور ہونا ممکن ہے اس حالت میں جملہ کتب کا طلب ہونا اور ایک معتدبہ زمانہ اس کے مطالعہ میں ہونا زیادہ مناسب ہوگا۔

استدعائے وظیفہ مولوی صاحب کی نسبت عاجز اس واقعی و بجا سفارش

کو ایک سعادت سمجھتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ہشتاد سالہ کی بقیہ عمر میں خزانہ شاہی
سے وظیفہ مناسب مقرر ہو کر صرف ان کے اوقات کا ان کے مشاغل علمی
میں اور دوسرے خیرات میں سرکار عالیہ جاری رہیگی تو داعی خیر ایسے وظیفہ کو
بہت ہی برمحل سمجھتا ہے اور یقیناً گزارش کر سکتا ہے کہ بہت سے فیض بے
پایاں بارگاہ عالیہ سے اہلیت و استحقاق مولوی صاحب کی بڑھی ہوئی
ہے اور ان کی خدمت کو غنیمت میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

دستخط مولوی محمد یحییٰ مفتی ریاست

۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

اس سفارشی تحریر کے بعض جملوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ریاست کی طرف
سے مفتی ریاست سے مولانا پنجابی کے بارے میں صحیح صورت حال معلوم کی گئی
تھی جس کے جواب میں مفتی صاحب نے یہ رپورٹ ریاست کو دی، کیوں کہ اس
کے فوراً بعد مولانا پنجابی کی کتاب کی اشاعت بھی منظور کر لی گئی اور ان کے لیے
ماہوار وظیفہ مقرر کیے جانے کی بھی اطلاع دی گئی کتاب کی اشاعت کی منظوری
کا پتہ اس خط سے چلتا ہے جو قاضی ریاست بھوپال کی جانب سے مولانا
پنجابی کے نام خط آیا جس میں ان سے کتاب کا مسودہ طلب کیا گیا، اتفاق
سے قاضی ریاست مولانا محی الدین کا اصل خط مولانا پنجابی کے کاغذات
میں موجود ہے، خط یہ ہے:

از جانب محی الدین خان احمد خان قاضی ریاست

بخدمت شریف جناب ابو الفضل مولوی امام الدین صاحب

بعد سلام مسنون آنکہ حضور سرکار عالیہ میں بود درخواست جناب نے پیش کی تھی کہ میری عمر بھر کی کمائی وہ چند اجزا احدیث نبوی ہیں الخ بنا بریں احقر کو حکم ہوا ہے کہ ان اجزا کو دیکھ کر رائے ناقص سے بحضور سرکار عالیہ اطلاع کی جائے لہذا وہ اجزا مرتبہ احقر کے پاس بھیجے جائیں کہ تعمیل حکم کی جائے۔ فقط

مورخہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ ۱۹ نومبر ۱۹۱۳ء

محی الدین عفی عنہ

غالباً مولانا پنجابی نے اپنی کتاب کا مسودہ قاضی ریاست کو پیش کر دیا اور انھوں نے مطالعہ کے بعد کتاب کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا کیوں کہ اس کے بعد ہی وزارت مالیات کے سکریٹری کا خط مولانا پنجابی کو موصول ہوا جس میں کتاب کی اشاعت اور اس کے ساتھ مدد معاش کے لیے وظیفہ کی منظوری کی اطلاع دی گئی وہ خط بھی مولانا پنجابی کے کاغذات میں موجود ہے جس کی نقل یہاں پیش کی جاتی ہے۔

وزارت مالیات کے سکریٹری کا خط درج ذیل ہے۔

منجانب سکریٹری فرمانروائے بھوپال

بخدمت ابو الفضل مولوی امام الدین صاحب

مالی نمبر ۱/ [illegible]

وزارت مالیات کے سیکریٹری کا خط

مراسلہ نمبر ... تاریخ

مضمون

مورخہ [illegible]

آفس میمورنڈم

ملاحظہ جناب فنانشل سیکریٹری سرکار عالی بھوپال

بخدمت ابو الفضل مولوی [illegible] الدین صاحب

حسب ارشاد جناب مفتی صاحب مولوی ذوالفقار احمد صاحب مولوی عنایت احمد صاحب اکبر [illegible]
[illegible] نام [illegible] ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا اور [illegible] کتاب [illegible] کی
ہدایت ہوئی ہے کہ معلوم کیا جاوے کہ اگر فرصت ہو تو جناب [illegible] ورنہ کسی اور مطبع سے مولوی صاحب خود
تخمینہ طبع مرتب کرا کر پیش کر سکتے ہیں۔ دونوں تخمینوں کے دیکھنے کے بعد حکم صادر ہوگا
لہذا آپ براہ عنایت [illegible] کو بتلا دیجئے تاکہ [illegible] تخمینہ [illegible]
اور آپ بھی کسی اچھے مطبع سے جو کفایت اور ارزاں قیمت [illegible] تخمینہ [illegible]
تاکہ [illegible] حکم حاصل کیا جاوے

فنانشل سیکریٹری دربار بھوپال

للعلم

[illegible]

ریاست بھوپال سے وظیفہ کی منظوری کا اطلاع نامہ

سیکریٹریٹ ریاست بھوپال

محکمہ [illegible]

[illegible]

حوالہ نمبر [illegible]

مرسلہ نمبر [illegible]　　مضمون [illegible]

مورخہ [illegible]

السلام علیکم

عالی جناب [illegible] شمس الدین [illegible]
جناب ابوالفاضل [illegible] الدین صاحب

جناب [illegible] گذارش ہے [illegible] ریاست [illegible]
[illegible] منظور فرمایا جانا [illegible]
[illegible] نومبر ۱۹۱۲ء

[illegible]

[illegible]

اضافہ فارم نمبر ۶۷ سے پاس ہونگا

ریاست بھوپال سے اجراء وظیفہ کا فارم

[illegible]

ابو الفضل [illegible] امام الدین خان [illegible]

نمبر شمار / تاریخ منظوری	تاریخ ولادت	قوم	سکونت	رقم ماہانہ			
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] بتاریخ [illegible] / تحصیل [illegible] بتاریخ / ضلع بتاریخ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible]

دفتر محاسبی ریاست بھوپال

مقام بھوپال مورخہ [illegible] ماہ [illegible] ۱۹۱۲ء

بخدمت جناب [illegible] صاحب خزانچی [illegible]

[illegible] الواقف [illegible]

[illegible] کو ماہانہ [illegible]

باشندہ [illegible]

[illegible]

اس حکم کے پیش کرنے پر [illegible]

[illegible]

[illegible]

مہتمم دفتر محاسبی ریاست بھوپال

[illegible]

نوٹ۔ (۱) [illegible]

(۲) [illegible]

[illegible]

Scanned by CamScanner

حسب سفارش جناب مفتی صاحب ریاست، مولوی ذوالفقار احمد صاحب و مولوی عنایت اللہ صاحب اراکین مجلس العلماء حضرت دام اقبالہا فرمانروائے بھوپال نے بہ نظر پرورش آپ کے نام سات روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا وانطباع کتاب احادیث نبوی مولفہ سامی کی نسبت ہدایت فرمایا کہ مطبع ریاست کو اگر فرصت ہو تو چھاپ سکتا ہے ورنہ کسی اور مطبع سے مولوی صاحب خود تخمینہ طبع مرتب کرا کر پیش کر سکتے ہیں، دونوں تخمینوں کو دیکھنے کے بعد حکم مناسب ہوگا لہذا کتب احادیث مہتمم صاحب مطبع ریاست کو بتا دیجئے کہ اس کو دیکھ کر وہ تخمینہ سرکار میں پیش کریں اور آپ بھی کسی ایسے مطبع سے بکفایت اور ارزاں قیمت میں کتابوں کو چھاپ سکے تخمینہ مرتب کرا کے دفتر ہذا کو بھیج دیں تاکہ بعد معائنہ ہر دو تخمینہ کوئی مناسب حکم صادر فرمائیں۔

(دستخط) سکریٹری دربار بھوپال (مہر)

مؤرخہ ۲۰ر نومبر ۱۹۱۳ء

Scanned by CamScanner

باب ۵

تصنیفات

مولانا امام الدین پنجابی صرف صوفی و زاہد، خلوت نشین و خلوت پسند اور گوشۂ تنہائی میں یکسو ہو کر بیٹھ جانے والوں میں نہیں تھے، بلکہ علماءِ دیوبند کی طرح اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں فعال اور متحرک تھے، ایک طرف وہ بدعات و خرافات اور مشرکانہ رسم و رواج کے خلاف علم جہاد بلند کئے ہوئے تھے تو دوسری طرف مسند درس پر بیٹھ کر علوم اسلامی کی اہم ترین کتابوں کا درس دے رہے تھے اور دینی تعلیم کو عام کرنے کی مہم میں لگے ہوئے تھے، تیسری طرف ملکی سطح پر جو باطل نظریات پھیلائے جا رہے تھے ان سے بھی واقف تھے اور ان کی

Scanned by CamScanner

تردید میں رسالے اور کتابیں بھی تصنیف کرتے رہے ان تمام اہم دینی
کاموں کے لئے ہمہ جہتی صلاحیت واستعداد کی ضرورت ہوتی ہے، مولانا
پنجابی ہر محاذ پر اسی لئے کامیاب رہے کہ وہ ہمہ جہتی صلاحیتوں سے متصف تھے۔
مولانا پنجابی کی قیام مئو کے بعد پوری زندگی اسی نہج پر گذری کہ وہ وعظ و تقریر میں یا
امر بالمعروف ور نہی عن المنکر کا فریضہ پوری قوتِ ایمانی سے ادا کرتے تھے
تو دوسری طرف ذہین وفطین اور باصلاحیت تلامذہ کو ہر علم وفن کی کتابیں
بھی پڑھاتے تھے، مولانا عبد الغفار صاحب جنھوں نے دورۂ حدیث حضرت
مولانا رشید احمد گنگوہی سے پڑھا تھا وہ مولانا پنجابی کے مخصوص شاگردوں
میں تھے اور زیادہ تر تعلیم آپ ہی سے حاصل کی تھی۔ مولانا عبد الغفار صاحب
کے علمی تفوق کے ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ محدث جلیل حضرت
مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے استاد تھے، اسی طرح مولانا ضمیر احمد قدسی
جو بہت جید عالم اور حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے تھے اور مولانا ابوالحسن
صاحب جو صاحب تصنیف وتالیف اور جامع مسجد شاہی کٹرہ مئو میں مولانا پنجابی
کے مدرسہ کو الہ داد پورہ سے منتقل کرکے مفتاح العلوم کی بنیاد ڈالنے والے
ہیں اور اچھے مصنف اور خوشگو شاعر تھے، یہ دونوں حضرات مولانا پنجابی
کے مخصوص شاگردوں میں ہیں۔ مولانا عبد الحفیظ صاحب جو ذی استعداد عالم
تھے یہ سب کے سب مولانا پنجابی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والے
ہیں ان میں سے کئی ایک مولانا پنجابی کے اکثر مسودات کا املا کرنیوالے تھے

اور یہ رسمی شاگردی نہیں بلکہ ان تلامذہ کو اپنے استاد مولانا پنجابی سے بے پناہ عقیدت تھی اور ان سے تلمذ حاصل ہونے پر فخر کرتے تھے اور ہمیشہ اپنے استاد کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے، اس لئے مولانا پنجابی کا علم وفضل ہر شک وشبہ سے بالاتر تھا، اس دور کے اہل علم ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے تھے، علمی مسائل میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی، مگر یہ کیا راز تھا کہ مولانا پنجابی نے کبھی قلم ہاتھ میں نہیں لیا؟ گویا وہ لکھنا جانتے ہی نہ تھے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُمی لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمیت کی غیر اختیاری سنت پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اتباع اور اپنی بے پناہ عقیدت ومحبت کا اس طرح اظہار کرتے تھے کہ حضورؐ نے کبھی قلم ہاتھ میں نہیں رکھا تھا اس لئے ساری زندگی مولانا پنجابی نے بھی اپنے قلم سے نہیں لکھا۔

مولانا پنجابی کے کاغذات اور قلمی مخطوطات کا ایک بڑا انبار ان کے ورثہ کے پاس موجود ہے لیکن ان میں کوئی بھی تحریر خود مولانا پنجابی کے قلم سے نہیں ہے سب ان کے تلامذہ کے قلم سے ہیں مولانا نے بول کر لکھوایا ہے، اس کے باوجود مختلف مسائل پر آپ کے چھوٹے بڑے آدھے درجن سے زائد رسالے اور تصنیفات موجود ہیں ہم یہاں ان کے بعض رسائل اور تصنیفات کا تعارف کراتے ہیں جن کے مسودے موجود ہیں بعض ناقص بعض مکمل۔

البلاغ المبین

کتاب کا موضوع سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا دعوت اسلام کے سلسلہ میں جدوجہد کا ذکر ہے کہ بعثت کے بعد جب خدا کی طرف سے دعوت و تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا تو آپ نے اس سلسلہ میں کیا اقدامات کئے کس طرح لوگوں تک اسلام و ایمان کی دعوت پہنچائی خود عرب میں کیا طریقہ اختیار فرمایا حجاز سے باہر آپ نے کس طرح دعوت اسلام دی سربراہان حکومت سرداران قبائل، مشہور اور بڑے راہبوں پادریوں اور علماء یہود و نصاریٰ اور بادشاہان وقت کو جو دعوتی خطوط آپ نے ارسال فرمائے آج تحقیقات سے ان کی ڈھائی سو کی تعداد معلوم کی جا چکی ہے یہ خطوط کون لوگ لے کر گئے، کس صحابی نے کس بادشاہ تک یہ خط پہنچایا، شاہان عالم کا ان خطوط کو پڑھ کر کیا ردعمل ہوا، قیصر روم اور کسرائے ایران کا طرز عمل کیا رہا ان تمام تفصیلات کو آپ نے حدیث کی کتابوں اور روایتوں کی روشنی میں پیش کیا ہے اور صرف واقعات ہی نہیں بیان کئے ہیں بلکہ بہت سی علمی بحثیں بھی درمیان میں آ گئی ہیں ان کو محدثانہ اصول پر پیش کیا ہے روایتوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دی ہے، بعض تفصیلات جو روایات حدیث میں نہیں ملیں ان کو اسلامی تاریخ کی معتبر کتابوں سے پیش کیا ہے اس سلسلہ میں احادیث اور تاریخ کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، ایک حیرتناک انکشاف ابتدائے کتاب میں آپ نے یہ کہا کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے والے حضرت خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے عزیز

البلاغ المبین کا پہلا حصہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله العلي الاعلى له الاسماء الحسنى والصفات العليا حمدا لا حد لها يوافي نعمه ويكافي كرمه
ذي الثناء الذي لا يحصى والحمد الاولى لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم
بالمؤمنين رؤف رحيم فان تولوا فقل حسبي الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم
آمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمؤمنون كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله لا نفرق بين احد
من رسله ـ صلوات الله وسلامه عليه وعلى آله وصحبه ما تغردت الطيور وتغنت الحور
في الفراديس والقصور اما بعد فيقول العبد المتمسك بذيل لطف ربه ذي القوة المتين الوزير
امام الدين فان انا جزاء بني نوع الانسان تفرقوا على ملل ونحل ومعرفة الحق منها موقوفة على الميزان
وهو ان كان منها موسسا على مباني التوحيد فهو حق جاءت به رسل الله تعالى والانبياء عليهم الصلوة
والسلام جميعا والكتب المنزلة عليهم من عند الله تعالى نادية شاهدة على رؤوس الاشهاد
بان التوحيد هو ان لا اله الا الله وان الحكم الا لله واحد وان لا نعبد الا الله ولا يتخذ بعضنا بعضا
اربابا من دون الله فقد عرفنا وآمنا ان الاسلام هو كذلك وهو دين الانبياء والرسل كلهم اجمعين
يقال له ملة ابراهيم حنيفا فلا تنفر الجمهور لمنافض قولنا هذا العبد الاتفاق على اصل الاصول وهو التوحيد
وقد آمنا ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبد الله ورسوله ما ينطق عن
الهوى ان هو الا وحي يوحى وكذلك في حق كل نبي ورسول من عند الله آمنا ونشهد انا انهم رسل الله ورسله
فنحن مما نرسلنا الاسلام قد احتججنا للناس هداة ناصحين والناس هم اخوان
بني نوع الانسان فوجب علينا هدايتهم والنصح لهم وعلامة الايمان الكامل ان يحب المؤمن لاخيه
ما يحب لنفسه فشرعت سنة اثنتين وثلاثين بعد الالف وثلث مائة من هجرة خير البرية
عليه الف الف الصلوة والتحية في كتاب سميته البلاغ المبين على رؤوس الاشهاد والمذكور
فيه شهادات بعض الانبياء عليهم الصلوة والسلام وشهادات علماء اهل الكتاب وغيرهم
قال الامام محمد بن اسمعيل ابو عبد الله البخاري حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل
عن ابن شهاب عن عروة بن الزبير عن عائشة ام المؤمنين انها قالت اول ما بدئ به رسول الله
صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة في النوم فكان لا يرى رؤيا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم
حبب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حراء فيتحنث فيه وهو التعبد الليالي ذوات العدد قبل ان

مولانا کی کتاب ابلاغ المبین کی اشاعت کی منظوری کی اطلاع

از جانب معتمد امور [illegible]

بخدمت شریف جناب [illegible]

بعد سلام مسنون آنکہ [illegible] کتاب [illegible] المبین [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۶ نومبر [illegible]

اہتمام [illegible]

ورقہ بن نوفل ہیں کیوں کہ غار حرا سے واپسی کے بعد حضرت خدیجہ حضورؐ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئی تھیں یہ سارا واقعہ روایتوں میں موجود ہے، غرضیکہ مولانا پنجابی نے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو اپنی کتاب البلاغ المبین میں فرمائی ہے، کتاب فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے، زبان بہت سہل اور سلیس رواں دواں ہے۔

اسی کتاب کی اشاعت وطباعت میں تعاون حاصل کرنے کے ارادہ سے ریاست بھوپال کا سفر کیا تھا اور ریاست سے وابستہ علماء کی سفارش پر کتاب کی اشاعت منظور کرلی گئی جیسا کہ وزارت مالیات کے سکریٹری کے خط سے معلوم ہوتا ہے لیکن کتاب کی اشاعت شاید نہیں ہوئی کیونکہ ریاستوں میں کام جس سست رفتاری سے ہوتا ہے اس میں برسوں لگ جاتے ہیں اور مولانا پنجابی کتاب کی اشاعت اور وظیفہ ماہوار کی منظوری کے بعد ڈیڑھ دوسال سے زیادہ اس جہان فانی میں نہیں رہے پھر اشاعت کی یاد دہانی کون کراتا۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

تبیین الکلام فی دفع الخصام یہ کتاب امتناع کذب کے ثبوت کے طور پر لکھی گئی ہے اور مجتہدانہ شان کی ہے، مولانا پنجابی کا دور منطق وفلسفہ کے عروج کا دور ہے اسلامی مسائل پر منطق وفلسفہ کی اصطلاحات میں گفتگو کا سلسلہ چل پڑا تھا اسی سلسلہ میں ذات باری کے سلسلہ میں امکان کذب کا مسئلہ بھی چل پڑا تھا مولانا پنجابی اس کے سخت مخالف تھے

رسالہ تبیین الکلام کا پہلا صفحہ

۷۷

۱۹ع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد اللہ کو سزاوار ہے اور درود [illegible] اسکا بندہ برگزیدہ پر نثار ہے خصوصاً سید الدنیا و سند الاتقیاء
سرور ابرار [illegible] اصحاب کبار رہے تا روز شمار اما بعد [illegible] میں [illegible]
[illegible] امام الدین [illegible] قرآن شریف اور [illegible]
[illegible] اجماع متقدمین قرون [illegible] اور ائمہ اربعہ اور [illegible]
[illegible] باقی علماء متاخرین کے اقوال [illegible] وہ قرار [illegible]
[illegible] ارکان مذہب باری عز اسمہ کا [illegible]
اور [illegible] جو صفات [illegible] ہیں باری عز اسمہ کو [illegible]
[illegible] اور [illegible] محال ہے اور [illegible]
[illegible] صفات باری تعالیٰ عز اسمہ ازل قدیم [illegible] ذات [illegible]
[illegible] ازلی قدیم ہونا [illegible] باری عز اسمہ [illegible] قدیم [illegible]
[illegible] امام اعظم الائمہ امام ابو حنیفہ اور [illegible]
[illegible] ملا علی قاری اور [illegible] ابو منصور [illegible]
[illegible] ابو حنیفہ [illegible] اور [illegible] صحیح اور اجماع [illegible]
[illegible] فرق [illegible] صفات ذات [illegible] اور صفات افعال [illegible]
[illegible] صفات ذات
[illegible] اور [illegible] ذات [illegible]
[illegible]
[illegible] اور [illegible]

[illegible]

اور ذاتِ باری کے لئے امتناع کذب کے مدعی تھے اس کتاب میں آپ کا جوہرِ علم پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے، دلائل کا استخراج، براہین شرعیہ کا قرآن وحدیث سے استنباط، متکلمین کی طویل بحثوں اور ان کی دلیلوں کا استحضار، اشاعرہ و ماتریدیہ کے اختلافات پر محققانہ رائے، معتزلہ کے باطل عقائد پر تیز وتند لب ولہجہ میں سخت تنقید اس کتاب میں موجود ہے، یونانی فلسفہ ومنطق اور اس کے سائے میں پنپنے والا علم کلام اس وقت علماء کے دل ودماغ پر کچھ اس اس طرح چھا گیا تھا کہ عقیدہ توحید، ذات باری اور صفات باری کی بحث بھی اس تند وتیز رو سیلاب کے دھارے میں آگئی اور ایک فضول سا مسئلہ ذات باری کے لئے امکان کذب کا کھڑا کر دیا گیا اور یہ مسئلہ کفر واسلام کا مسئلہ بن گیا، اس دور کے کئی علماء نے اس مسئلہ پر داد تحقیق دی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اُلجھا زیادہ اور سلجھا یا کم گیا اور دقیق ترین اصطلات استعمال کر کے اس کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیا گیا، مولانا پنجابی نے بڑی جرأتِ ایمانی کا ثبوت دیا ہے اور دو ٹوک فیصلہ کیا ہے اور یہ فیصلہ مستحکم دلائل و براہین کی بنیاد پر ہے آپ نے لکھا کہ تمام صفات باری عزاسمہٗ ازلی اور قدیم ہیں ذاتِ باری کا تمام صفاتِ کمالیہ سے متصف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کا تمام نقصانات منزہ پاک صاف اور بری ہونا بھی قطعی اور ضروری ہے، کلام صادق صفت کمال ہے اس لئے ذات باری کا اس سے متصف ہونا ضروری اس کے برخلاف کلام کاذب یا کلام ممکن الکذب نقصانات میں سے ہے اور عیب ہے اس لئے ذات باری کا اس سے

منزہ اور بری ہونا بھی ضروری ہے پھر اس کے بعد خود کلام کے سلسلہ میں جو موشگافیاں کی گئی ہیں اور اس کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں مولانا پنجابی اس کے قائل نہیں، اس کی دلیل کے سلسلہ میں آپ نے پہلے خدا کا متکلم ہونا قرآن میں مذکور گئو سالہ کی پرستش کے واقعہ سے ثابت کیا ہے کہ قرآن اس کی مذمت میں کہتا ہے کہ جو معبود نہ تمہاری سنتا ہے اور نہ تمہاری بات کا جواب دیتا ہے اور نہ اس میں کلام کی قوت ہے تو پھر اس کی پرستش کیوں کرتے ہو؟ یعنی گونگا بہرہ ہونا عیب ہے، یعنی عدم تکلم ذات باری کے لئے نقص ہے اس لئے ذات باری کے لئے متکلم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے اوامر و نواہی کا تعلق کلام سے ہے اور بغیر کلام کے انسان اس کو جان نہیں سکتا، اور جب کلام ذات باری کی صفت ہوئی تو اس کی تمام صفات کمالیہ کی طرح یہ بھی ازلی و ابدی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کلام صادق کمال ہے اور کلام کاذب عیب ہے اسلئے کلام کاذب یا کلام ممکن الکذب سے خدا کی ذات کا مبرا و منزہ ہونا ضروری ہو گیا، پھر آپ نے وضاحت کے ساتھ لکھا کہ کلام لفظی اور کلام نفسی کی تقسیم لغو اور غلط ہے، اخبار یا امر و نہی بجز کلام لفظی کے نہیں ہو سکتا، بس کلام لفظی ہی صفات متکلم سے ضروری ہے ذات باری اسی سے متصف ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا کلام جس کو کلام نفسی کہا گیا وہ لغو اور فضول ہے کہ اس کو نہ کوئی پڑھ سکے نہ سن سکے نہ بولنے میں آئے نہ حفظ کرنے میں آئے، بلکہ ایسا کلام تو کلام ہی نہیں ہے کلام وہی ہے جس کو امر و نہی اور خبر دینے میں دخل ہو، جو کلام ایسا نہ ہو وہ محض بیکار ہے اس لئے کلام لفظی ہی صفت باری ہے، اسی لئے قرآن کو

Scanned by CamScanner

مخلوق کہنا درست نہیں پھر آپ نے امام احمد بن حنبل کے واقعہ اور ان کے بیان کو پیش کیا ہے اور لکھا کہ انھوں نے سارے مصائب جھیلنے کے باوجود ہمیشہ قرآن کو غیر مخلوق کہا کیوں کہ مخلوق ہونا حادث ہونے کی دلیل ہے اور قرآن کلام الٰہی یعنی صفت باری عزاسمہٗ ہے اور صفت باری ازلی اور ابدی ہے، مولانا کو شکایت ہے کہ فرقہ ضالہ معتزلہ نے فلسفیانہ تقریر سے قرآن کے مخلوق ہونے پر اتنے دلائل پیش کئے کہ ان کے جواب متاخرین اشاعرہ نہ دے سکے اور سارے الزامات اپنے سر اوڑھ لئے، کلام لفظی اور کلام نفسی کی تقسیم سے دھوکا دیا اور کہدیا کہ کلام لفظی حادث اور مخلوق ہے قرآن بھی کلام لفظی ہے اس لئے وہ بھی مخلوق اور حادث ہے ہم نے دلیل سے ثابت کر دیا کہ کلام لفظی اور کلام نفسی ایک ہے دو نہیں اسلئے نہ وہ حادث ہے اور نہ مخلوق بلکہ وہ صفت باری عزاسمہٗ ہے اور تمام صفات باری قدیم اور ازلی ہیں اس لئے قرآن بھی غیر مخلوق ازلی اور قدیم ہے۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ یہی بنیادی دلیل ہے شرح مواقف، شرح مقاصد اور شرح تجرید علامہ قوشجی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ان سب کا مسلک یہی ہے، رسالہ کے آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ آج کل اس مسئلہ میں ہندوستانی مولوی صاحبان بھی دو فرقے ہو رہے ہیں ایک امکان کذب باری تعالیٰ کا قائل ہے اور دوسرا امتناع کذب کا قائل ہے، میں فرقہ ثانیہ کو مصیب سمجھتا ہوں، مگر مسلمان بھائیوں کی تکفیر و تفسیق لعن طعن اپنے مخالف کے حق میں کر رہا ہے اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے بندوں کو، ایسا نہ کریں میں دونوں گروہوں کا خوشہ چیں

ہوں۔ مجھ کو کسی پر طعن تشنیع کی ضرورت نہیں اظہار حق کی ضرورت تھی سو کر دیا

وَمَا علینا الا البلاغ المبین الملی ابوالفضل امام الدین

مصابیح الاطلاع علی تحریم التواجد والسماع

یہ مولانا پنجابی کا عربی زبان میں ایک رسالہ ہے جو تین بابوں پر مشتمل ہے۔

الباب الاول ۔ فی حرمة تواجد المتصوفة ورقصهم

الباب الثانی ۔ فی حرمة المعازف والمزامیر

الباب الثالث ، فی الغناء

رسالہ عربی میں ہے، عبارت میں روانی سلاست، استعارات وکنایات کا خوبصورت استعمال جیسے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف عربی بول چال کا عادی اور تحریر و تقریر میں برجستہ عربی پر قادر ہے، اتنے برمحل جملے استعمال کرتے ہیں کہ طبیعت پھڑک اٹھتی ہے بالخصوص اس کتاب کا مقدمہ جو چار صفحات میں ہے اپنے انداز بیان اور طرز تحریر میں بڑا دلکش ہے اور عربی ادب کا ذوق رکھنے والوں کے لئے بڑا دل آویز ہے، اس رسالہ کے لکھنے کا داعیہ شاید اس لئے پیدا ہوا کہ انھوں نے ہندوستان میں صوفیاء اور مشہور مشائخ طریقت کے مزارات پر قوالی، صوفیاء کا وجد، باہم مل کر رقص کا نظارہ انھوں نے دیکھا ہے، دھوم دھام سے قوال ہارمونیم پر تان اڑا رہا ہے ڈھول کی تھاپ تالیوں اور جھانجھ کے پرشور ماحول میں عبا اور خرقہ پہنے ہوئے عمامہ باندھے ہوئے بوڑھے اور کہن سال مصنوعی صوفیا پر وجد طاری ہو رہا ہے

مولانا کی کتاب مصابیح الاطلاع کا پہلا صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي [illegible]

[illegible]

[illegible]

والظاهرين على الكافرين [illegible] صلى الله عليه وعليهم وبارك وسلم ـــــ

أما بعد فيقول العبد [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر جھومتے ہیں اور تھرکتے ہیں اور معرفت میں ڈوبے ہوئے ہونے کا ڈرامہ کرتے ہیں مزید ستم یہ کہ اس کو دین کا ایک حصہ اور کار ثواب سمجھتے ہیں اور عوام و خواص کو سراسر گناہ میں ملوث کر رہے ہیں، مولانا پنجابی کا اصلاحی ذہن و مزاج اس دین فروش ایمان سوز نظارہ کی تاب نہیں لا سکا سخت کبیدہ اور رنجیدہ ہوا اور اسی کے نتیجہ میں یہ رسالہ قلمبند فرمایا، پہلے باب جس میں وجد و سماع کا ذکر ہے آخر کی سطروں میں کہتے ہیں قال ابوالفضل هذه النوبة عند مزارات اولياء في بلاد الهند ذائع شائع يقول البعض انها تذكرة للمتفحشين كلا بل هي بدعة سيئة احدثها قوم من عبدة القبور، یہ تمام بدعات و خرافات ہندوستان کے شہروں میں اولیاء اللہ کے مزارات پر شب و روز ہوتی رہتی ہیں ستم یہ کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ عبرت و نصیحت کا ذریعہ ہیں، یہ احمقانہ بات ہے یہ بدترین بدعت ہے جس کو قبر پرستوں نے ایجاد کر رکھا ہے۔

دوسرے باب میں باجوں کی تمام قسموں کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے اور درجنوں احادیث پیش کی ہیں، شراح حدیث اور جلیل القدر محدثین و فقہاء کے حوالے دیتے ہیں، شادی بیاہ میں جس قدر گنجائش ہے اس کے حدود بتائے ہیں، تیسرا باب غنا یعنی گانے کے بارے میں ہے اس سلسلہ میں متعدد روایتوں سے استدلال کرکے بتایا گیا ہے کہ گانا دلوں میں نفاق کا بیج بوتا ہے، یہ رسالہ ہندوستان میں ہونے والے عرس، قوالیوں اور مزارات پر ہونے والے میلے ٹھیلے کی مذمت میں بھرپور رسالہ ہے، اس رسالہ سے مولانا پنجابی کی احادیث

پر تفصیلی نظر کا پتہ چلتا ہے ہر بات حدیث کی روشنی میں مدلل لکھی گئی ہے۔

ربیع الانوار مولانا پنجابی کا یہ رسالہ بھی عربی زبان میں ہے اور ان کے رسالوں میں سب سے ضخیم ہے، اس رسالہ میں ہندوستان میں مروج محفل میلاد پر اظہار خیال کیا گیا ہے، آپ نے ابن خلکان کے حوالے سے محفل میلاد کے موجد کی نشاندہی کی ہے کہ مظفرالدین شاہ اربل نے چھٹی صدی ہجری میں موجود طرز کے محفل میلاد کی ایجاد کی ہے اس سے پہلے کہیں بھی اس طرح کی محفلوں کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ذکر رسول بیان کرنا، سننا سعادت اور ثواب کا کام ہے ہر مسلمان اس کار ثواب میں حصہ لے سکتا ہے بلکہ لینا چاہیئے اس سے دین پر استقامت اور اصول شریعہ پر عمل کرنے کا حوصلہ اور جذبہ ملتا ہے، حضورؐ کا ذکر موجب اجر ہے لیکن ان تمام رسوم قبیحہ اور فاسد عقیدوں کے ساتھ یہ کیسے کار ثواب ہو سکتا ہے ذکر رسول کو اپنی خواہشات وتمناؤں کے بر آنے پر اظہار خوشی کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے مقصد ذکر رسول نہیں اپنی دنیاوی کامیابی پر اظہار مسرت ہے، اب میلاد کا حال یہ ہے کہ ختنہ، عقیقہ، بیماری سے شفا، مقدمہ میں کامیابی، نوکری وملازمت کا حصول، قبروں پر عرس یا میلہ کے مواقع پر ایک کام محفل میلاد کا جوڑ لیا جاتا ہے یعنی ذکر مولد اپنی ذاتی خوشی کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اور کچھ نہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان آپ کے اوصاف وکمالات آپ کی زندگی کے ہر ہر پہلو کا

Scanned by CamScanner

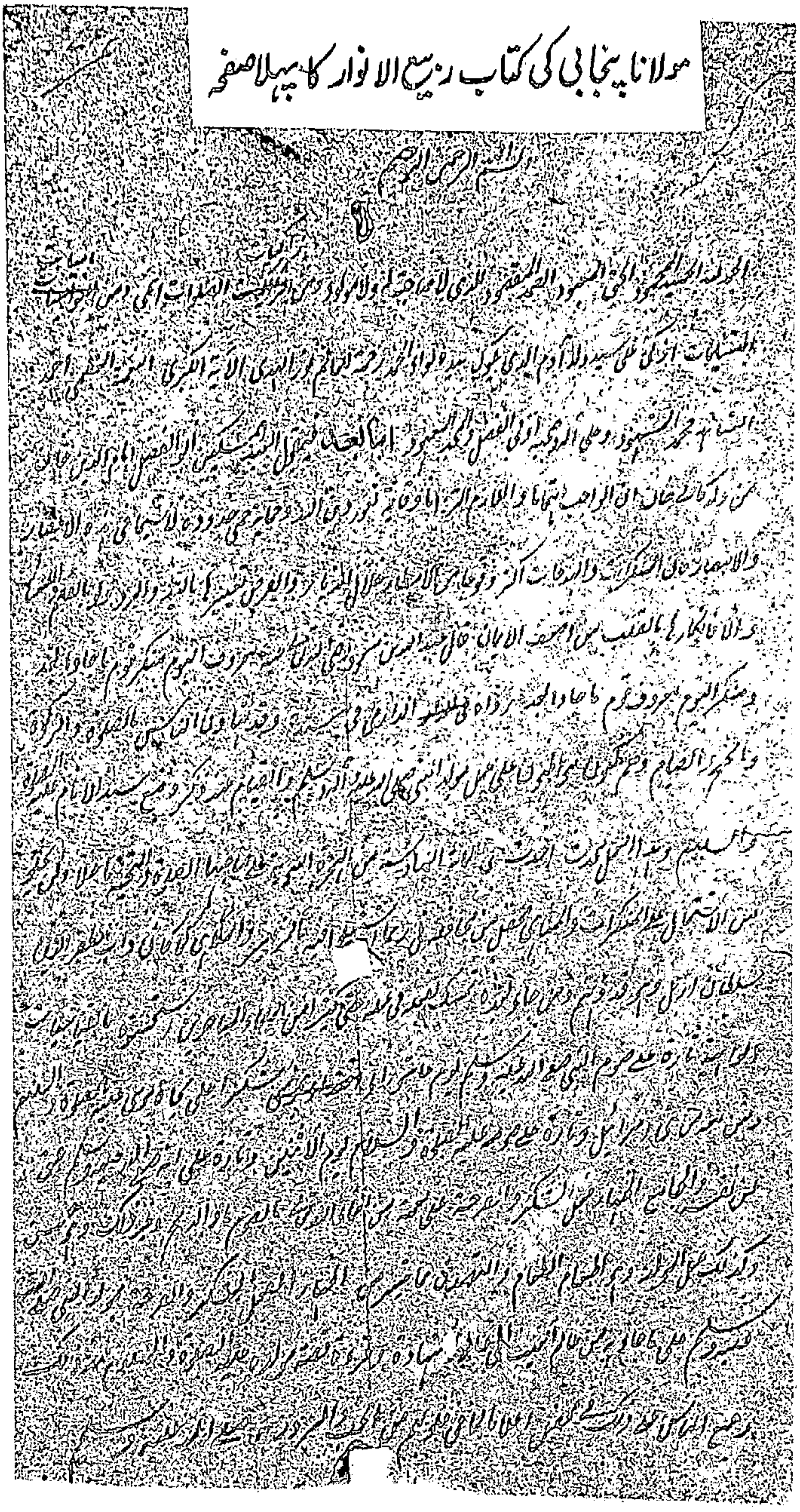

مولانا پنجابی کی کتاب ربیع الانوار کا پہلا صفحہ

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا کھرا کوٹ ضلع مئو اتر پردیش

بیان مسلمانوں کی سعادت ہے جن سے دین پر استقامت نصیب ہوتی ہے موجودہ محفل میلاد صرف رسمی چند طور طریقوں کی تکمیل ہے اس لئے اس سے اجر و ثواب کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے، پھر آپ نے دوران میلاد خوانی قیام کے سلسلہ میں ان تمام دلائل کا جائزہ لیا ہے جن سے مدعیان قیام استدلال کرتے ہیں آپ نے ان تمام روایتوں کو محدثین اور شارحین حدیث کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے اور ان کا صحیح اور حقیقی مفہوم بیان کیا ہے، مولانا پنجابی کی اس کتاب کا ذکر مفتی ریاست بھوپال مفتی محمد یحییٰ صاحب نے اپنے اس سفارشی خط میں کیا ہے جو انھوں نے مولانا پنجابی کو وظیفہ دیئے جانے اور ان کی کتاب کی طباعت میں مدد دیئے جانے کے متعلق ریاست کے متعلقہ حکام کو لکھا ہے مگر یہ کتاب اب بھی مخطوطہ کی شکل میں کاغذات کے انبار میں پڑی ہوئی ہے، طبع نہیں ہو سکی۔

مولانا پنجابی کے دوسرے رسائل

مولانا پنجابی کے چھوٹے بڑے اور بھی رسائل ہیں جن کا ذکر بعض خطوط اور تحریروں میں ہے لیکن کاغذات و مخطوطات کا چونکہ پورا جائزہ نہیں لیا جا سکا ہے اس لئے اب تک دستیاب نہیں، ان رسائل میں ایک مختصر سا رسالہ چرم قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں ہے اس رسالہ کی تحریر کا باعث یہ تھا کہ آپ نے جامع مسجد شاہی کٹرہ مئو کی تعمیر و مرمت کے سلسلے میں ایک وعظ فرمایا اس میں آپ نے یہ تجویز رکھی کہ امسال چرم قربانی ایک شخص خاص کو دیدی جائے اور اس کو مالک بنا دیا جائے اور وہ چرم قربانی فروخت کر کے اس رقم سے مسجد

رسالہ عیدین کی نماز کا وقت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

خادم المسلمین المتقین بربہ ذی القوۃ المتین ابو الفضل امام الدین عفا اللہ عنہ اخوان دینی کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماحیان بدعت و حامیان سنت کو زندہ کر دیا ہے جس سے محققین حضرات [illegible] اہل حق و اہل سنت والجماعت بھی میں۔ اور اہل ہوا و اہل بدعت ہمیشہ شرمندہ اور ذلیل رہے۔ خصوصاً اور زمانہ میں بدعت دین میں پیدا کر رکھی ہیں [illegible] اس طائفہ کو [illegible] یا مذہب [illegible] کر رہے ہیں [illegible] پاک کرنے اور ناشران [illegible] بدعت دین میں بے شمار پیدا ہو گئی ہیں [illegible] تیر طویل لکھنے کی ضرورت ہے اور فرصت کم ہے [illegible] المساجد (یعنی [illegible] نماز [illegible]) تاخیر نماز میں [illegible]

۳۲

عیدین میں عادت کر رکھی [illegible] اللہ [illegible] بھی بدعت [illegible]

کی تعمیر و مرمت کی جاسکے بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ شرعًا درست نہیں ہے آپ نے ان کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا لیکن راقم الحروف کو اب تک دستیاب نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک رسالہ کا ذکر مفتی ریاست بھوپال نے رفع یدین کے مسئلہ پر اور ایک رسالہ قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ پر ہونے کا کیا ہے لیکن یہ رسالے بھی دستیاب نہیں۔

اسی خط میں ایک کتاب "التنزویر در بحث امکان نظیر" کا بھی ذکر ہے، امکان نظیر کا مسئلہ مولانا پنجابی کے دور کا ایک سلگتا ہوا مسئلہ تھا اس موضوع پر کئی ایک رسالے ہندوستان میں لکھے گئے مولانا پنجابی نے بھی اس مسئلہ پر اپنے نقطۂ نگاہ کا اظہار کیا ہوگا لیکن افسوس کہ وہ رسالہ میری نگاہ سے نہیں گذرا کہ اس کے مباحث پر کچھ روشنی ڈالی جاسکے، البتہ ایک مختصر سا رسالہ اوقات نماز عید کے سلسلہ میں مولانا کے کاغذات میں موجود ہے جس میں روایتوں کی روشنی میں عید کی نماز کا مستحب وقت بتایا گیا ہے۔

حاصل گفتگو

ان تفصیلات کے پڑھنے سے یہ یقین ہوتا ہے کہ مولانا پنجابی کی سرگرمیاں صرف درس وتدریس اور وعظ وتذکیر تک محدود نہیں رہیں بلکہ اس دور کے پیدا ہونے والے مسائل پر بھی ان کی نظر تھی اور اس سلسلہ میں تصنیف وتالیف کا بھی سلسلہ جاری تھا کیونکہ اکثر انھیں مسائل پر آپ کی تصنیفات ہیں جو انیسویں صدی کے آخر میں اور

بیسویں صدی کے بالکل آغاز میں پورے ملک میں موضوع گفتگو بنے ہوئے تھے علماء دیوبند کی تحریک اصلاح معاشرہ جاری ہو چکی تھی خود مولانا پنجابی حضرت نانوتوی حضرت گنگوہی مولانا یعقوب نانوتوی صدر دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند کے معاصر اور ان کے دور میں انھیں کے حلقہ عمل میں موجود تھے ان میں بعض ان کے ہم عمر ہیں بعض استاذ اس طرح آپ کئی سال مرکز اصلاح میں قیام پذیر رہے جہاں سے اسلامی معاشرہ کی اصلاح کا سلسلہ جاری تھا بدعات وخرافات اور مشرکانہ رسم ورواج کے خلاف علماء دیوبند نے جو جہاد چھیڑ رکھا تھا مولانا پنجابی اس کو بہت قریب سے دیکھنے والے تھے اس لئے اس سے متاثر ہونا بالکل یقینی ہے اس لئے مولانا پنجابی کا بھی ذہن ومزاج اسی سانچے میں ڈھل گیا تھا اور انھیں جذبات وخیالات کے وارث وامین تھے جو علماء دیوبند کا خاص امتیاز تھا، پھر آپ بیعت اویس زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی سے ہوئے جن کا مقام ومرتبہ علماء دیوبند کی نگاہ میں بہت بلند وبالا تھا اور وہ اپنے مخصوص خلفاء کو مختلف علاقوں میں دین کی اشاعت کے لئے مقرر کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کو صحیح دین حق کی راہ پر چلانے کی ہر امکانی جدوجہد کریں، مولانا پنجابی بھی انھیں سے بیعت تھے اس لئے شیخ ومرشد کا جذبہ اصلاح علماء دیوبند کے جذبہ اصلاح سے مل کر دوآتشہ ہو چکا تھا، مولانا پنجابی اسی لئے دوآتشہ سے سرشار تھے اس لئے آپ کے شب وروز دین ہی کی خدمت میں گذرتے تھے مگر حالات کی نامساعدت تھی کہ کتابوں کی طباعت

Scanned by CamScanner

واشاعت کے وسائل وذرائع مفقود تھے اس مجبوری کی وجہ سے آپ کی تمام تصانیف غیر مطبوعہ رہ گئیں، آج مولانا پنجابی کی زندگی بھر کی کمائی اور تمام علمی سرگرمیوں کا سرمایہ ان کے ورثہ کے پاس ردی مال کی طرح پڑا ہوا ہے کاغذات خستہ اور ریزہ ریزہ ہوگئے ہیں اکثر مسودات ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں اب کچھ ہی دنوں وہ ایک دم ناقابل استفادہ ہو جائیں گے، سارے مسودات ایک طرح بادامی کاغذ پر سیاہ روشنائی سے کلک سے لکھے ہوئے ہیں رسم الخط مختلف تلامذہ کے املا کرنے کی وجہ سے مختلف ہے، بعض بہت خوشخط ہیں اور بعض انتہائی بد خط۔

کتبہ
شمس الحسن محلہ کوٹ ادری

باب ⑥

اولاد و احفاد

مولانا پنجابی ۱۲۹۸ھ میں قصبہ مئوناتھ بھنجن آئے اس وقت آپ کی عمر ۳۸ سال کی ہو چکی تھی، کیونکہ دفتر محاسبی ریاست بھوپال سے وظیفہ کے لئے جو فارم کاشتی دیا گیا اس میں آپ کی ولادت ۱۲۶۰ھ لکھی گئی ہے اس لئے آپ ۳۸ سال کی عمر میں مئو آئے، نکاح بیوگاں کی تحریک کے سلسلہ میں جب آپ افغان برادری سے اس خلاف شرع پابندی کو مٹانے اور بیواؤں کو شادی کرنے اور دوسرا نکاح کرنے کی آزادی دلانے کے لئے موضع شاہ پور تشریف لے لئے جو پینٹ افغان کی ایک چھوٹی سی آبادی تھی وہیں

Scanned by CamScanner

افغان برادری کی ایک بیوہ سے خود نکاح کر کے عملی طور پر اپنا نمونہ پیش کیا تھا، یہ نکاح بڑا بابرکت ثابت ہوا آپ کی نسل اسی شریف خاتون سے چلی، مولانا پنجابی نے اپنی خودنوشت میں ایک جگہ تحریر فرمایا ہے :

" اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تین فرزند بھی عطا فرمائے حبیب الرحمٰن خاں، فضل الرحمٰن خاں، محمد زماں خاں اللہ تعالیٰ ان کو علم وعمل کی توفیق بخشے اور آفات وبلیات سے پناہ دیوے اور ان میں برکت کرے۔ اللہ بس، باقی ہوس

کتبہ ابوالفضل امام الدین خاں عملہ یوسف پورہ

۵ شوال المعظم ۱۳۲۴ھ

مولانا نے اپنے تینوں لڑکوں کو دینی تعلیم دلائی اور باقاعدہ عالم بنایا جبکہ افغان برادری میں تعلیم عنقا تھی، مولوی حبیب الرحمٰن کے حالات لامعلوم ہیں البتہ منجھلے صاحبزادے مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے سلسلہ میں خاندانی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہترین خطیب اور واعظ ہوئے اور جب آپ تقریر کرتے تھے تو پورے مجمع پر چھا جاتے تھے، دعوت و تبلیغ اور دینی خدمت کے جذبے سے بہار و بنگال کے سفر بھی کرتے تھے، مولانا پنجابی کو اپنے اس بیٹے سے بہت محبت تھی ان کی صلاحیتوں اور سرگرمیوں سے بہت خوش اور مطمئن تھے اسی تعلق خاطر کی وجہ سے آپ نے اسی بیٹے کے نام سے اپنی کنیت ابوالفضل رکھی اور ہر جگہ آپ اپنی کنیت نام کے ساتھ ضرور رکھتے

Scanned by CamScanner

تھے، مولوی فضل الرحمن کی شادی آپ موضع ادری کے ایک معزز اور دیندار گھرانے میں کی، منشی محمد رضا خاں جو نہایت صالح پابند صوم وصلوٰۃ و اوراد و وظائف اور بعد میں مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے ان کی ہمشیرہ سے مولوی فضل الرحمن صاحب کا نکاح کر دیا، ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے لیکن مولوی فضل الرحمٰن صاحب کی زندگی نے وفا نہیں کی بچے ابھی کمسن ہی تھے کہ اچانک مولوی فضل الرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا، دونوں بچے اپنے شفیق اور دیندار ماموں کی سرپرستی میں رہے انھوں نے اپنے بیٹوں کی طرح دونوں کی پرورش کی، دینی تعلیم دلائی اور عالم بنایا۔ مولانا پنجابی اپنے ان دونوں پوتوں کو دیکھنے اور ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کے لئے ادری برابر آتے رہتے تھے۔ مولانا پنجابی کے تیسرے لڑکے جو سب سے چھوٹے مولوی محمد زماں خاں تھے وہ باقاعدہ عالم ہوئے اور ادری مدرسہ فیض الغربا میں عرصہ دراز تک استاذ رہے اور مدرسہ کے ٹوٹ جانے کے بعد دوسرے مدارس میں فرائض تدریس انجام دیئے، مولانا پنجابی صاحب کی اولاد و احفاد کا سلسلہ درج ذیل ہے۔

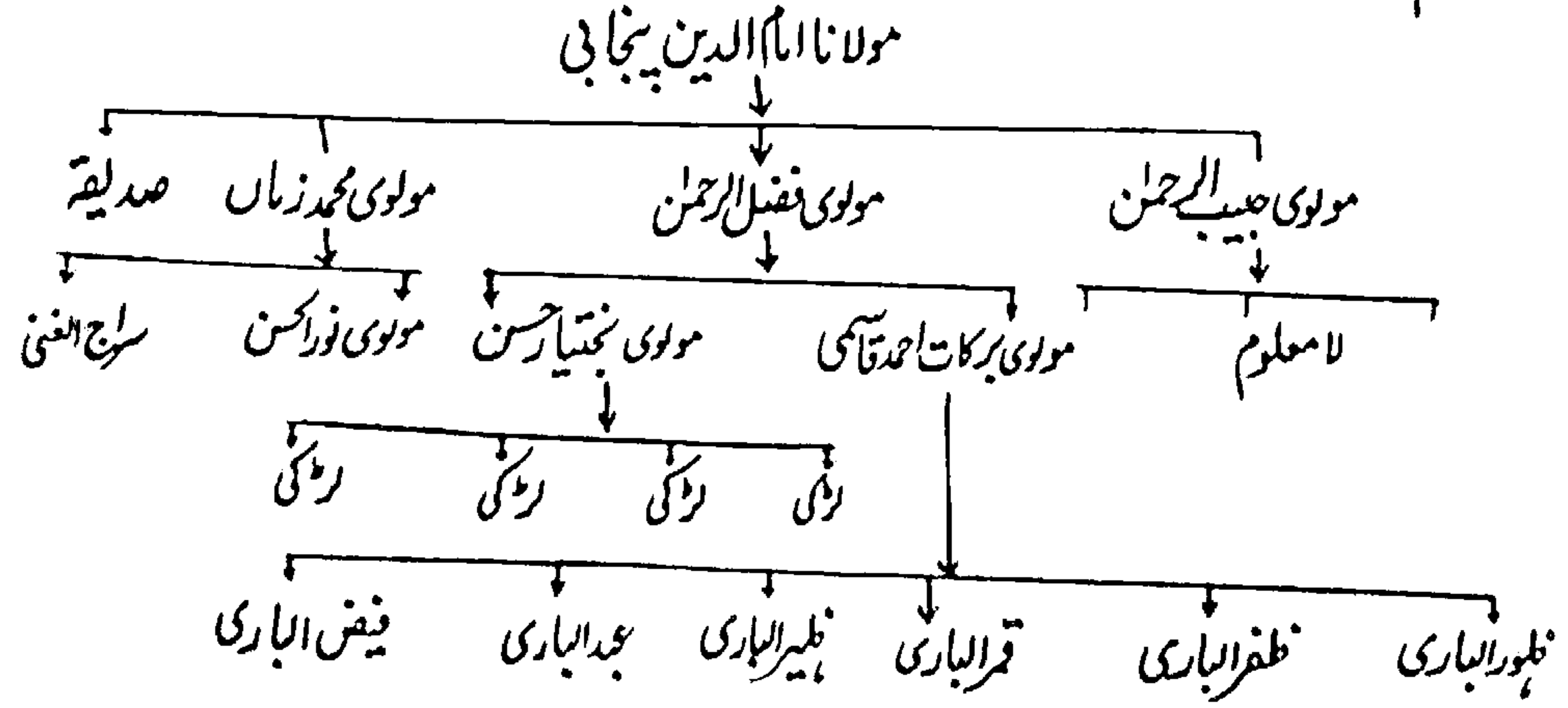

مولوی فضل الرحمٰن صاحب کے دونوں لڑکے مولوی برکات احمد قاسمی اور مولوی بختیار حسن اپنے ماموں منشی محمد رضا خاں کی سرپرستی میں رہے انھوں نے اپنے بھانجوں کو اپنے بیٹے کی طرح تعلیم و تربیت دی مولانا برکات احمد قاسمی کو ابتدائی تعلیم دلاکر دارالعلوم دیوبند میں مکمل تعلیم دلائی وہ بہترین عالم بہترین خطیب و واعظ ہوئے، ادری میں جامع مسجد یا عید گاہ میں لوگ تقاضے کرکے تقریر کے لئے مجبور کرتے اور جب وہ اپنی تقریر شروع کرتے پورا مجمع گوش برآواز ہو جاتا بڑی مقبولیت اور عزت حاصل کی پھر اپنے بزرگوں کے مشورہ سے دیوریا چلے گئے اور وہاں انجمن اسلامیہ کے کاموں کو وسعت دی، عوام کی دینی اصلاح کا پروگرام بنایا اور بتدریج اپنی شخصیت کی اس شہر پر اتنی گہری چھاپ ڈالی کہ مسلمانان دیوریا نے ان کو سر اور آنکھوں پر بٹھایا، سیاست کے طوفانی دور میں آپ ضلع گورکھپور کے چند ممتاز اور سربرآوردہ لیڈروں میں شمار کئے جانے لگے، بہت ہی خوددار غیرتمند اور وضعدار عالم تھے، نیک نیتی اور پورے اخلاص کے ساتھ مسلمانانِ دیوریا کی ہر مشکل میں کام آتے تھے، آپ کی وفات دیوریا میں سنہ ۱۹۷۹ء مطابق سنہ ۱۳۹۹ھ میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے دوسرے صاحبزادے مولوی بختیار حسن نے عربی متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی پھر تعلیم ترک کر دی اور ماموں کی جائداد کی نگرانی اور کاشتکاری کی ذمہ داریوں میں مصروف ہو گئے اور ساری زندگی نانیہال ہی میں رہے اور یہیں سے عالم آخرت

کے لئے روانہ ہو گئے ۔

مولانا مجتبائی کے اولاد و احفاد میں ایک لڑکے کی حکومت شاہ پور بیاہی رہی اور دوسرے صاحبزادے مولوی فضل الرحمٰن کی اولاد اب بھی بیٹیا میں قیام پذیر ہے اور مطمئن ہے ۔

مولانا اعجاز احمد اعظمی لائبریری چھپرا جیا کوٹ ضلع مئو اتر پردیش

(۷)

باب

وفات

مولانا پنجابی کی عمر اب ۷۵ سال کی ہو چکی تھی، قویٰ میں اضمحلال روز افزوں تھا، اکثر آپ پر سکوت طاری رہتا تھا جیسے ہمہ وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں، عام طور سے بات چیت لوگوں سے گفتگو بہت کم ہو چکی تھی۔ عقیدتمندوں اور شاگردوں کو کھٹکا لگا ہوا تھا کہ شاید مولانا اب زیادہ دنوں ہمارے درمیان نہیں رہیں گے، وقت کی بات، ان دنوں وبائی بیماری قصبہ میں تھی اور ایک دن چلتے پھرتے آپ پر طاعون کا حملہ ہو گیا، اور چند گھنٹوں میں روح ملأ اعلیٰ کو پرواز کر گئی ۲ / جمادی الآخر ۱۳۳۵ھ منگل کے

Scanned by CamScanner

دن ۷۵ سال کی عمر میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، قصبہ میں کہرام مچ گیا، اطراف و جوانب میں خبر عام ہو گئی ہر طرف سے لوگ آ پڑے جنازہ میں شریک ہونے والوں کا بیان ہے کہ اتنا ہجوم اس وقت تک جنازوں میں کم دیکھا گیا، بعد نماز عشا نماز جنازہ ادا کی گئی اور اسی مسجد کے احاطہ کے ایک گوشہ میں جہاں آپ ۲۷ برس سے مقیم تھے قبر تیار کی گئی، با حسرت و یاس اللہ کے اس ولی کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

مولانا پنجابی کے شاگرد رشید مولانا عبدالغفار صاحب نے تاریخ لکھی جو ان کے لوح مزار پر کندہ ہے۔

ضیا بر لوح قبرش زد رقم سال وفات او
ولی و شیخ مولانا امام الدین پنجابی

۱۳۳۵ھ

یہ مرثیہ مولانا عبدالغفار کی مرتب کردہ کتاب میں شائع ہو چکا ہے اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

رحلت بتوبۃ الباری امام الدین پنجابی — شدہ چشم بہ خونباری امام الدین پنجابی
اچانک چل دیئے دنیا سے تنہا چھوڑ کر ہم کو — ہے خلقت رو رہی ساری امام الدین پنجابی
یہ مرنا آپ کا گویا کہ اک عالم کا مرنا ہے — ہوا صدمہ بہت بھاری امام الدین پنجابی
گئی ہے روح جنت میں بہ زیر سایۂ رحمت — ہوئی اب وصلت باری امام الدین پنجابی
لحد میں جا کے سوئے ہو کے بے غم سارے جھگڑوں سے — مصیبت چھٹ گئی ساری امام الدین پنجابی

Scanned by CamScanner

زمیں بے بہرہ اور ی اژدھوے ہے فیض سے تیرے بہت کچھ فیض ہے جاری امام الدین پنجابی

کئی اولاد، اور شاگرد صدہا یادگار اسدم
ہیں زیر چرخ زنگاری امام الدین پنجابی

مولانا عبدالغفار صاحب کے بھائی مولانا ابوالحسن صاحب جو مولانا پنجابی کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے انھوں نے بھی اپنے استاد کے غم میں ایک پردرد مرثیہ لکھا تھا اور تاریخ وفات کہی تھی اس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

گل وگلزار عرفانی ہیں مولانا امام الدین سراپا فیض سبحانی ہیں مولانا امام الدین
شہادت پاگئے طاعون میں حکم الٰہی سے نثار حکم ربانی ہیں مولانا امام الدین
ہوئی جب فکر تاریخ وفات آں نثار حق کہ اہل اللہ یزدانی ہیں مولانا امام الدین

کہا ہاتف نے تاریخ وفات آہ امام الدین
نثار فخر سبحانی ہیں مولانا امام الدین

۱۳۲۵ھ

——— اسیر ادروی
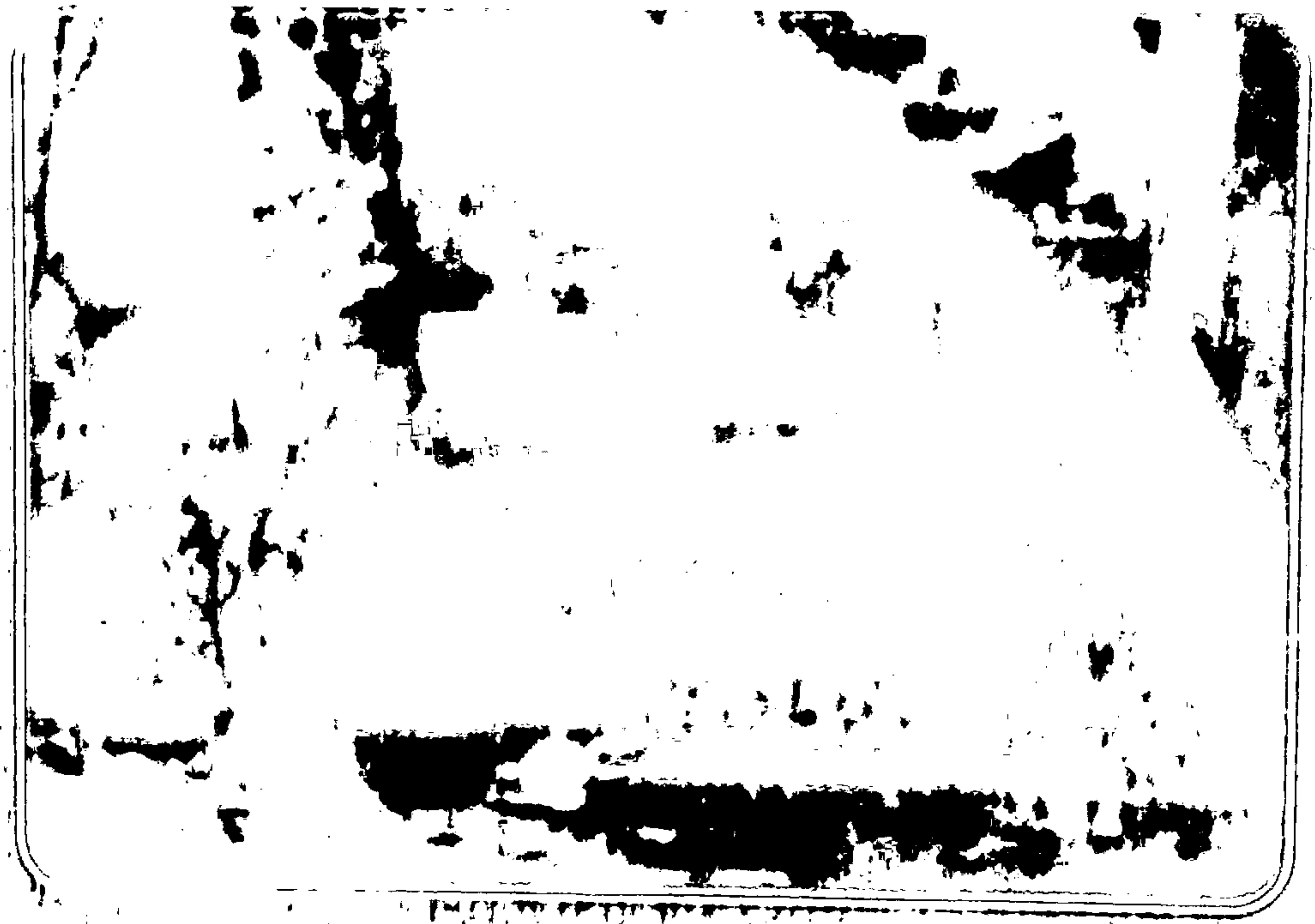
مولانا محمد علی کی والدہ کی [illegible]